آئینہ مظاہر علوم

جولائی ۲۰۲۴ء

جلد 33 | شمارہ 7

ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم

سہارن پور (یوپی)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سعیدی حفظہ اللہ

ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

مدیر مسئول

محمد ریاض الحسن مظاہری

مدیر تحریر

ناصر الدین مظاہری

دفتر ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم (وقف)

مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

MONTHLY

Aaina-e-mazahir Uloom (WAQF)

SAHARANPUR PIN-247001 (U.P.) INDIA

ICICI BANK A/C 019101001261 IFSC CODE ICICI0000191

UBI A/C 4093010100,23072 IFSC CODE UBIN0540935

UBI A/C 4093010100,23075 FCRA CODE 136690015

Website : www.mazahiruloom.org

E-Mail : mazahiruloom@gmail.com

9557424474

آئینۂ مضامین

صفحہ	مقالہ نگار	مقالات	عناوین
۳	ناصرالدین مظاہری	حج کا ساتھی کس کو بنائیں	**اداریہ**
۷	حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ	حج کی وصیت کے مسائل	**مقالات**
۱۰	حضرت علامہ خالد محمودؒ	حج اور حاجی	//////////
۱۲	مولانا سید سلیمان یوسف	حج: مظہر عشق و بندگی	//////////
۱۹	مولانا رفیع الدین حنیف	انبیائے کرام کا حج بیت اللہ	//////////
۲۴	صحافی طارق علی عباسی	اناڑی پن سے بچیں	//////////
۲۶	حافظ صلاح الدین	دینی مدارس: مقاصد اور پس منظر	//////////
۳۳	مولانا زاہد الراشدی	دینی مدارس کے طلبہ سے چند گزارشات	//////////
۳۶	محمد امین	توہین رسالت کی روک تھام کیسے کریں	//////////
۴۷	ناصرالدین مظاہری	تین شرابیوں کی خوبصورت موت	//////////

◯ دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ کیلئے اول فرصت میں زرِتعاون ارسال فرمائیں۔

☆ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

☆ جواب طلب اُمور کیلئے جوابی لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ ناقابل اشاعت مضامین کی واپسی ادارہ کے ذمہ نہیں ہے۔

☆ شائع شدہ اشتہارات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ سالانہ زرِتعاون 200/روپے......دیگر ممالک:25/امریکی ڈالر

طابع ناشر، مدیر مسئول: محمد ریاض الحسن۔ **مطبع:** فاروقی پرنٹنگ پریس دہلی۔

اشاعت: دفتر آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج کا ساتھی کس کو بنائیں؟

صدا بہ صحرا　　　ناصرالدین مظاہری

حج وہ عظیم عبادت اور فریضہ ہے جو ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے، سامانِ سفر جتنا کم ہوگا اتنی ہی آسانی ہوگی لیکن عام طور پر عازمینِ حج اتنا سامان ساتھ لے جاتے ہیں کہ کئی مہینوں کیلئے کافی ہوجائے، تربیتی کیمپوں میں خوب سمجھایا جاتا ہے اور ماہرینِ سفر بتاتے بھی ہیں کہ سعودی عرب میں کون کون سی چیزیں لے جانا منع ہیں ،اسی طرح ہوائی جہاز میں کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں پھر بھی سادہ لوح افراد ایر پورٹ پر محکمہ کوتو پریشان کرتے ہی ہیں خود بھی بے انتہا پریشان ہوتے ہیں، ابھی کی تازہ خبر ہے کہ بعض عازمینِ حج نے وہ سامان جو لگیج میں جانا تھا وہ بھی اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا یعنی ہانڈیاں، گھی کے ڈبے، رسی، ٹیپ، چھری اور چاقو وغیرہ، یہ ساری ہی چیزیں دستی بیگ میں لے جانا ممنوع ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ انتظامیہ نے انھیں روک لیا، سامان کی تلاشی میں اتنا وقت لگ گیا کہ جہاز چھوٹ گیا، جو بیگ پہلے ہی لگیج میں چلا گیا تھا وہ سامان بھی جہاز کے ساتھ چلا گیا اور خود اپنے ملک کے ایر پورٹ پر حیران و پریشان ہیں، ایسی صورت میں آپ اندازہ کریں دوسرا جہاز کب ملے گا، اس میں سیٹیں خالی ہیں یا نہیں ہیں، وہ سامان جو پہلے ہی جا چکا ہے وہ وہاں کہاں ملے گا اور چونکہ زبان سے آپ واقف نہیں ہیں اس لئے وہاں کی انتظامیہ کو آپ کیسے سمجھائیں گے۔ اسی طرح جو سامان یہاں غیر قانونی قرار دے کر روک لیا گیا ہے وہ بھی ضائع ہوجائے گا، آپ اپنا یہ سامان اپنے کسی ساتھی کو نہیں دے سکتے کیونکہ ساتھی جو آپ کو ائیر پورٹ چھوڑنے آئے تھے وہ تو کئی گھنٹے پہلے جا چکے ہیں۔ گویا ذرا سے بے خیالی اور غلطی کی وجہ سے آپ نے اپنا بھی وقت اور روپیہ برباد کیا اور انتظامیہ کو الگ پریشان کیا۔

بعض لوگ ایسی ایسی چیزیں ساتھ لے جاتے ہیں جو یہاں بھی نہایت سستی ہیں اور وہاں بھی بہت کم پیسوں میں مل جاتی ہیں مثلاً ایک صاحب نے نمک کا ایک پیکٹ ساتھ رکھ لیا، اپنے ملک والے تو پیکٹ سے واقف ہیں اس لئے جانے دیا لیکن سعودیہ والے اس کی پیکنگ سے واقف نہیں ہیں اور حساس بھی بہت زیادہ ہیں اس لئے تلاشی کے لئے سامان کے مالک کو روک لیا، بقیہ ساتھیوں

پر کیا بیتی ہوگی آپ اس کا تصور کریں اور پھر ان صاحب کو تلاشی کے کن دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا اس پر غور کریں، نتیجہ یہ ہوا کہ بقیہ تمام ساتھی مقررہ نظام کے مطابق اپنی بسوں میں بیٹھے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور یہ ابھی ائیر پورٹ پر ''مجرموں'' والے حصہ میں بیٹھے ''سامان کی تلاشی'' کی لائن میں خوار اور مجبور ہیں۔ جب سامان کی چیکنگ کا نمبر آیا تو وہ لوگ نمک کو ''کوکین'' سمجھ رہے تھے اور یہ صاحب انھیں یقین دلا رہے تھے کہ یہ نمک ہے، وہ آپ کی زبان نہیں سمجھتے اور آپ ان کی زبان نہیں جانتے۔ کئی گھنٹوں کے بعد عملہ نے ایک پاکستانی کارندے کو بلایا، اس نے پوری بات سنی، نمک کو چکھا اور بتایا کہ ''مِلح''، یعنی نمک ہے۔ تب جا کر جان بخشی ہوئی۔ اب یہ صاحب اکیلے ائیر پورٹ سے باہر نکلے، بس والوں نے بٹھانے سے منع کر دیا کیونکہ رفقاء کی لسٹ تو رفقاء کے ساتھ چلی گئی تھی اس لئے کرایہ کی ٹیکسی کر کے مکہ مکرمہ پہنچے، ایک انجان شخص جس کے پاس موبائل فون نہیں ہے، راستوں اور عمارتوں سے واقف نہیں ہے، کیسے وہ اپنی قیام گاہ پہنچا ہوگا، ایک لمبی کہانی بنتی چلی گئی محض لاپروائی اور ''سادگی'' کی وجہ سے۔

ایک صاحب فیملی کے ساتھ گئے، جاتے وقت کئی عدد بیگ رکھ لئے، جدہ ائیر پورٹ پر دو تین بیگ رہ گئے اور خود تمام رفقاء کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے، وہاں بھی پورا دن گزر گیا، اگلے دن بیگ کی گنتی کی گئی تو حقیقت حال سے واقفیت ہوئی پھر واپس جدہ پہنچے، ٹکٹ اور سامان کی پرچیاں دکھائیں تب جا کر محکمہ نے سامان حوالے کیا۔ ہمارے ملک میں یہ معاملہ ہوجاتا تو خدا جانے سامان ملتا بھی یا جتنے کا سامان ہوتا اس سے کہیں زیادہ خرچ ہو چکے ہوتے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے ساتھ قرآن کریم، مسئلہ مسائل کی کتابیں اور مصلیٰ وغیرہ ساتھ نہیں رکھتے حالانکہ اس بابرکت سفر میں آپ کا جہاں اور جس ملک سے ہو کر سفر طے ہونے والا ہے وہ سارے ہی ملک اسلامی ہیں، سعودی ائرلائن میں نماز پڑھنے کی بھی جگہ ہوتی ہے لیکن صف اور مصلیٰ تو آپ کو اپنا ہی استعمال کرنا پڑے گا۔

بہتر تو یہ ہے کہ اپنے ساتھ اپنا وہ قرآن کریم اپنے ساتھ بیگ میں رکھیں جو یہاں آپ کے زیر تلاوت رہتا ہے، اسی طرح اپنا مصلیٰ اور اپنی تسبیح بھی ساتھ رکھیں اور پڑھنے کے لئے وہ کتابیں بھی رکھیں جن کی قدم قدم پر ضرورت پڑنے والی ہے یعنی حج وعمرہ کے طریقوں اور مکہ ومدینہ کے فضائل

اور تاریخی مقامات کی کتابیں ضرور لے ساتھ جائیں کیونکہ وہاں زیارت کرانے والے بہت باتیں ایسی بتادیتے ہیں جن سے لوگوں کی دلچسپی تو ہوتی ہے لیکن حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ متعدد بار بار حرمین شریفین کا سفر کئے ہوئے تھے لیکن اپنے ایک سفر کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''بعض طبیعتوں کے خمیر میں عشق ومحبت داخل ہوتی ہے، ان کو حج سے فطری مناسبت ہوتی ہے، اس کے سبب مشکلات ان کے لیے آسان اور اس کے سب مناسک وارکان ان کی روح کی غذا اور ان کے درد کی دوا ہوتے ہیں، اگر یہ محبت وعشق فطری نہیں اور طبیعت خشک اور قانون محض واقع ہوئی ہے تو مناسب ہے کہ اکتسابی طریقے سے کسی نہ کسی درجے میں محبت کی حرارت پیدا کی جائے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر بعض اوقات حج ایک قالب بے روح ہو کر رہ جاتا ہے؛ محبت میں اکتساب کو اچھا خاصا دخل ہے، اس کے دو آزمودہ طریقے ہیں :ایک محبوب کے جمال وکمال اور اس کے احسانات وکمالات کا مطالعہ ومراقبہ، دوسرے اہل محبت کی صحبت اور اگر وہ میسر نہ ہو تو ان کے عاشقانہ واقعات حج سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے یہ دونوں راستے ممکن ہیں۔ پہلے کا ذریعہ تلاوت اور ذکر وتفکر ہے، دوسرے کا ذریعہ عشّاق ومحبین اور شہیدانِ محبت کے پراثر واقعات ہیں، جس میں صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تازگی اور گرمی باقی ہے اور اب بھی وہ دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرمادیتے اور بجھے ہوئے دلوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ شیخ دہلویؒ کی ''جذب القلوب'' اور شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی ''فضائل حج'' نیز حضرت جامیؒ وخسروؒ کی عاشقانہ غزلیں اور نعتیہ کلام اس مقصد کے لیے بہت مفید ہیں''۔

دوسری جگہ حضرت لکھتے ہیں کہ

''مدینہ طیبہ کے قیام میں درود شریف، تلاوت قرآن، اوراذکار سے جو وقت بچے اگر حدیث اور سیرت وشمائل کے مطالعہ میں گزرے تو بہت پرتاثیر اور بابرکت ہوگا، اسی پاک زمین پر یہ سب واقعات پیش آئے یہاں اِن واقعات کا مطالعہ اور کتب شمائل میں مشغولیت بہت کیف آور موجب ترقی ہوگی۔ اُردو خواں حضرات قاضی سلیمان صاحب منصور پوریؒ کی ''رحمۃ للعلمین'' اور شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی خصائل نبوی'' (ترجمہ شمائل ترمذی) کو حرزجان بنائیں۔ اہل عربیت حافظ ابن قیمؒ کی ''زادالمعاد'' اور ''شمائل ترمذی'' سے اشتغال رکھیں، جن کو آثار مدینہ منورہ کی زیارت وتحقیق کا ذوق ہو ان کے لئے سمہودیؒ کی ''وفاء الوفا باخبار دار المصطفی'' اور ''آثار المدینہ المنورۃ'' کا مطالعہ مفید ہوگا''۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں کتابوں سے کوئی نسبت اور علاقہ نہیں ہے، دینی معلومات کے حصول

سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے، علم اور اہل علم کے پاس معلومات کے حصول کے لئے بیٹھنے کی کوئی توفیق نہیں، بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ وہاں پہنچ کر بھی مسئلے مسائل سے کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھتے، کسی غلطی کو غلطی نہیں سمجھتے، کن غلطیوں پر دَم واجب ہوتا ہے اور کن غلطیوں پر حج یا عمرہ مقبول نہیں ہوتا ہے اس کا کوئی خیال اور لحاظ نہیں رہتا ہے۔

بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حرم شریف سے نکلنے اور اپنی قیام گاہ پہنچنے کے لئے بے قرار رہتے ہیں، بہت سے تو لگتا ہے صرف کھانے کے لئے جاتے ہیں، بعض تو وہاں بھی ایک دوسرے سے جھگڑنے لگتے ہیں۔ایک کمرے میں تو باقاعدہ گتھم گتھا کا منظر بھی دیکھا۔ یہ ساری چیزیں اگر وہاں پہنچ کر بھی نہیں چھوٹی ہیں تو سوچیں فرق کیا ہوا یہاں اور وہاں میں، وہ سرزمین تو رفث ،فسوق اور جدال کو بھول جانے کی ہے لیکن افسوس:

کعبہ بھی گیا پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے دورانِ سفرِ حج کون سی کتابیں زیر مطالعہ رہیں؟ فرماتے ہیں:

”راستہ میں دین ہی کا تذکرہ اور دین ہی کا مشغلہ رہا، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمہ کی ”فضائل حج“، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کی زیارت الحرمین، مفتی (سعید احمد اجراڑوی) صاحبؒ مظاہر علوم کی ”معلم الحجاج“، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا ”سفرنامہ حجاز“ شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کی ”جذب القلوب الی دیارِ المحبوب“ ساتھ ہے۔راستہ میں خواہ مخواہ کی وقت گزاری اور لایعنی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی“۔

ہمارے عازمین کی اکثریت فارغ اوقات میں بجائے اس کہ خوب طواف کریں، تلاوت کریں، فقہی اور دینی کتابوں کا مطالعہ کریں، حزب البحر یا جذب القلوب کو سامنے رکھیں، مسنون اعمال اور اوراد کو مشغلہ بنائیں، دعاؤں اور مناجات مقبول میں اپنا قیمتی وقت صرف کریں، افسوس کہ بازاروں، ہوٹلوں، مارکیٹوں، شاپنگ سینٹروں اور اِدھر اُدھر کے نظاروں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں۔

☆☆☆

حج کی وصیت

حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ

مسئلہ: جس شخص پر حج فرض ہو چکا اور ادا کرنے کا وقت ملا ہے لیکن ادا نہیں کیا اس پر حج کی وصیت کرنا واجب ہے اگر بلا وصیت مر جائے گا تو گنہگار رہوگا لیکن اگر حج فرض ہونے کے بعد اس سال حج کو گیا اور راستہ میں مر گیا تو اس پر حج کرانے کی وصیت واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر میت نے وصیت نہیں کی اور وارث نے یا اجنبی نے اس کی طرف سے حج کرادیا تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو امید ہے کہ ان شاء اللہ میت کا حج ادا ہو جائے گا لیکن میت نے وصیت کی تھی تو بلا اجازتِ وارث کے حج فرض میت کا ادا نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر آمر عاجز نے یا وارث نے مردہ کی طرف سے حج کرنے کا امر تو کیا لیکن روپیہ نہیں دیا تو بھی حج فرض ادا نہ ہوگا۔ ہاں اگر مامور نے اپنے پاس سے روپیہ خرچ کیا اور پھر آمر سے وصول کرلیا تو ہو جائے گا۔

مسئلہ جو شرائط حج بدل کے ہیں وہ وصیت کے مطابق حج کرنے والے کیلئے بھی ضروری ہیں۔

مسئلہ: وصیت صرف تہائی مال میں نافذ ہوتی ہے اس لئے تہائی مال سے حج کرایا جائے گا چاہے وصیت کرنے والے نے تہائی کی قید لگائی ہو یا نہ لگائی ہو البتہ اگر وارث اگر تہائی سے زیادہ دے تو اسے اختیار ہے۔

مسئلہ: اگر تہائی مال حج کے مصارف سے زیادہ ہے یا حج کے بعد کچھ بچا ہے تو ورثاء کو واپس کرنا واجب ہے ان کی بلا اجازت حج کرنے والے کو رکھنا جائز نہیں۔ اگر تہائی مال میں گنجائش ہے تو میت کے وطن سے حج کرانا چاہئے، اگر میت نے کسی مقام کو متعین کر دیا تو وہاں سے حج کرایا جائے، چاہے وہ مقام مکہ مکرمہ سے قریب ہو یا بعید ورنہ جس جگہ سے تہائی مال سے ہوسکتا ہو وہاں سے کرایا جائے۔

مسئلہ: اگر میت کے کئی وطن تھے تو جو وطن مکہ مکرمہ سے زیادہ قریب ہو وہاں سے حج کرایا

جائے جوزیادہ دور ہو اس سے نہ کرایا جائے۔

مسئلہ: وصی نے میت کے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے حج کرایا حالانکہ تہائی مال سے کسی دوسری جگہ سے حج ہوسکتا تھا تو وصی ضامن ہوگا اور یہ حج وصی کا ہوگا لیکن اگر یہ جگہ (جہاں سے حج کرایا ہے) میت کے وطن سے اس قدر قریب ہے کہ وہاں جا کر آدمی رات سے پہلے واپس آ سکتا ہے تو میت کا حج ہو جائے گا اور وصی پر ضمان نہ ہوگا۔

مسئلہ: میت نے وصی سے کہا کہ جوشخص میری طرف سے حج کرے اس کو اتنا مال دینا تو ولی کو خود حج کرنا جائز نہیں اور صرف یہ کہا جائے کہ میری طرف سے حج کرایا جائے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا تو وصی کو اختیار ہے کہ خود حج کرے یا کرائے البتہ اگر وصی میت کا وارث ہے یا اس نے مال وارثوں کے حوالے کر دیا کہ وہ جس سے چاہے حج کرائے تو اگر سب وارث بالغ ہوں اور اجازت دیں تو وصی حج کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: میت نے وصیت کی کہ اس کے مال سے حج کرایا جائے اور جو مال حج کے بعد بچ رہے وہ حج کرنے والے کو دے دیا جائے تو یہ وصیت جائز ہے اور حج کرنے والے کو وصیت کی رو سے وہ مال اصح قول کی بناء پر لینا جائز ہے۔

مسئلہ :اگر میت کی طرف سے حج کرنے والا بیمار ہو گیا اور سارا روپیہ خرچ کر دیا تو وصی پر اس کی واپسی کیلئے روپیہ بھیجنا واجب نہیں۔

مسئلہ: میت کی طرف سے حج کرنے والا اگر وقوف عرفہ سے پہلے مر گیا تو میت کا حج ہو جائے گا اور اگر مرا نہیں بلا طواف زیارت کے واپس آ گیا تو جب تک مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت نہ کرے گا اس پر عورت حلال نہ ہوگی اور واپس جا کر بلا احرام اپنے مال سے طواف کی قضاء کرنی ہوگی۔

مسئلہ: اگر آمر نے اجازت دی کہ ضرورت کے وقت قرض لے لینا میں ادا کر دوں گا تو قرض لینا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر مکہ مکرمہ میں یا مکہ مکرمہ کے قریب روپیہ ضائع ہو جائے اور مامور اپنے پاس سے خرچ کرے تو میت کے مال سے لے سکتا ہے۔

حج اور عمرہ کی نذر کرنا

مسئلہ: حج یا عمرہ کی نذر کرنے سے بھی حج یا عمرہ واجب ہوجاتا ہے مثلاً کسی نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر حج ہے یا صرف یہ کہا کہ مجھ پر حج ہے تو ان الفاظ سے نذر ہوجائے گی اور پورا کرنا واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس مرض سے شفاء دی یا میرے مرض کو شفا دی تو مجھ پر حج یا عمرہ ہے جس کی نذر کی ہے، اس کا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: کسی نے کہا اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمے احرام ہے یا احرام حج ہے تو حج یا عمرہ کرنا واجب ہے اور یہ اختیار رہے کہ حج کرے یا عمرہ کرے۔ (معلم الحجاج)

☆☆☆

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں

''جو شئ قرون ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو، وہ بدعت ہے، اب سنو کہ وجودِ شرعی اصطلاحِ اُصولِ فقہ میں اس کو کہتے ہیں جو بدون شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو، پس اس شئے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا، خواہ صراحتاً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً، پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شئے وجود شرعی میں آ گئی، اگر چہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو اور معلوم رہے کہ سب احکامِ شرعیہ موجود بوجود شرعیہ ہی ہیں؛ کیونکہ حکم حلت اور حرمت کا بدون شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہوسکتا، پس جس کے جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہو گیا، تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا اور وجود اس کا مرتفع ہو گیا، پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا؛ وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔ (براہین قاطعہ)

حج اور حاجی

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

قرآن پاک نے ان امور رفث وفسوق اور جدال کو نہی سے نہیں بلکہ نفی سے بیان فرمایا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ حج کے دنوں میں رفث (اس میں عورت سے بے حجاب ہونا اور اس کے سب مقدمات شامل ہیں)، فسوق (ہر وہ کام جس سے انسان اسلامی نظام حیات سے نکلے فسق میں داخل ہے اور اللہ اور اس کے پیغمبر برحق کی ہر نافرمانی فسق ہے) اور جدال (لڑائی جھگڑا) نہ کرو بلکہ فرمایا کہ حج میں یہ چیزیں ہیں ہی نہیں۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کاموں کی حج میں کوئی گنجائش ہی نہیں۔ حج کرتے کچھ غلطیاں ایسی ہو جاتی ہیں کہ ان کی تلافی صدقہ یا دم دے کر ہو جاتی ہے لیکن یہ تین باتیں جن سے قرآن کریم نے منع کیا ہے اگر ہو گئیں تو ان کی تلافی نہیں، نہ صدقہ دے کر ان اعمال کی نحوست سے نکل سکتا ہے نہ دم دے کر۔ قرآن پاک کا انداز بتلاتا ہے کہ یہ کام حج میں ہیں ہی نہیں: لَارَفَثَ وَلَافُسُوقَ وَلَاجِدَالَ فِي الحَجِّ، اب استغفار کی عمومی ہدایت کے سوا چارہ نہیں۔

اگر یہ تین باتیں حج میں صادر ہوئیں تو یہ حاجی کے جسم میں اتر جائیں گی اور عمر بھر ساتھ رہیں گے، وطن میں تھا تو بے حجاب اور جنسی کھلی باتیں کم کرتا تھا، احرام کی حالت میں حج کے ارکان ادا کرتے بے حجابانہ آباد کی تو اب یہ عمل اس کے بدن میں پیوست ہو جائے گا، حج سے لوٹ کر شہوت کی باتیں اس کی گفتگو میں بڑھ جائیں گی، یہ احرام، حدود حرم اور اعمال حج کا پاس نہ رکھنے کی سزا ہے۔

حج سے پہلے جھوٹ کم بولتا تھا، دھوکہ فریب کم کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف اعمال کم تھے اب احرام کی حالت میں اس پاک خطہ زمین میں اس انتہائی عبادت کے دوران ان اعمال کا ارتکاب کیا، اب یہ شخص جب حج سے واپس لوٹے گا، جھوٹ زیادہ بولے گا، امانت میں خیانت زیادہ کرے گا، عمر بھر حج میں کئے گئے فسق کی نحوست سے نہ نکلے گا وہ اعمال وہیں اس کے جسم میں پیوست ہو گئے تھے۔ حج کے دوران لڑائی جھگڑا کرنے والے حاجی جب وطن واپس لوٹتے ہیں تو پھر جھگڑا اور فساد ان کی زندگی کا لازمی جزو بنا ہوتا ہے۔ حج میں کئے گئے یہ غلط اعمال خواہ رفث کی صورت میں ہوں یا فسوق کی صورت میں یا جدال کی صورت میں اس قابل نہ تھے کہ

اوپر اٹھائے جاتے، آسمانوں میں ان کی قبولیت کے دروازے کھلتے، وہاں پاک کلموں اور اعمال صالحہ کو ہی صعود ملتا ہے۔

ان اعمال کے آسمانوں میں اٹھنے کی صورت نہ تھی، حرم کی پاک زمین بھی ان اعمال کو جذب نہ کرسکتی تھی پس یہ غلط عمل اس کرنے والے کے جسد میں ہی جذب ہونے کے تھے اور اسی میں یہ پیوست ہوئے، اب زندگی بھر اس حاجی کا کردار پہلے سے زیادہ گھناؤنا ہو گیا، لوگ ایسے حاجی کے نام سے حج کو بدنام کرتے ہیں، یہ حج کا قصور نہیں حج میں رفث وفسوق اور جدال سے نہ بچنے اور اس پاک سرزمین میں اِن خلاف قرآن اعمال کے بجالانے کی سزا ہے۔ مسلمانو! ایسے محرومان قسمت سے عبرت حاصل کرو اور ان باتوں سے حج میں بچنے کے ارادے مضبوط کرلو اور اس کی ایک تدبیر یہ ہے کہ دوران حج نیک صحبت میں رہو اور اللہ والوں کی مجلس میں کثرت سے حاضری دو، اللہ والوں کی مجلس کا ہم نشیں بدبخت نہیں ہوتا۔

ہاں جولوگ بے پرواہی اور غفلت سے اپنی ان بیماریوں کو اور پختہ کرلائے ہیں ان کی اس نحوست سے نکلنے کی یہی صورت ہے کہ وہ پھر حج کو جائیں اور اب کے بار حج میں وہ ان تین قسم کی باتوں سے زیادہ اہتمام سے بچیں، ان شاء اللہ ان کا یہ حج مبرور ہوجائے گا، استطاعت باقی نہ رہے تو کثرت سے استغفار کریں، اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے اور معاف کرنے والے ہیں۔

حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اپنے شاگرد حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ سے فرمایا کہ:

''پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرّا بندھا ہوا تھا، جن کو پھانسی کا حکم دیا جاچکا تھا، وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جارہا ہے اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جارہا ہے، اس طرح موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مُردوں میں ہوا چاہتا ہے؛ بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو، باوجود قلتِ علم اور غلبہ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا؛ مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا۔''

(تذکرۃ الخلیل بحوالہ کفر وارتداد کا زمانہ اور امت مسلمہ کی بے حسی، ص ۱۸۱)

☆☆☆

حج......مظہر عشق وبندگی

مولانا سید سلیمان یوسف

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ (الحج)

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بحکم الٰہی جو صدا لگائی، اسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے بندگی، عبادت اور اللہ تعالیٰ سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار کا ایک منفرد اور مخصوص طریقہ طے کردیا، جسے حج کہتے ہیں۔

حج کیا ہے؟ اس کے افعال وارکان کی حکمت وفلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت ومعقولیت کا نقطہ کیا ہے؟ صوفیاء کرام نے سفر حج کو سفر عشق اور ارکانِ حج کو عاشقانہ وارفتگی سے تشبیہ دے کر یہ حکمت وحقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح عاشقِ زار کے افعال واعمال میں ظاہری معقولیت دیکھنا اور بتانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح افعالِ حج کے ظاہری افعال کی حکمت ومعقولیت سمجھنے اور سمجھانے میں بھی دشواری پیش آسکتی ہے۔ فریضۂ حج کے ظاہری افعال واعمال کی حقیقت ومعقولیت کا ادراک کرنے کے لئے عقل سلیم، فطرتِ سلیمہ اور عشقِ حقیقی کا جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے، چنانچہ حاجی اپنے آپ اور اپنے حلیہ ولباس کو فراموش کرکے اور راہ کی مشقتوں، صعوبتوں کو بھلا کر اپنے پروردگار محبوبِ حقیقی کی یاد اور ذکر کے ساتھ زیارت وملاقات کے جذبات سے لبریز ہوکر والہانہ وار اس کے دَر پر حاضری دینے کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور اپنے تمام تر حسیات اور قلبی کیفیات کے ساتھ مرکز تجلیات بیت اللہ پہنچ جاتا ہے، پھر مکہ سے منیٰ کا رخ کرتا ہے، اور پھر منیٰ سے عرفات جاتا ہے، عرفات سے پھر مزدلفہ آتا ہے اور وہاں سے پھر واپس منیٰ آجاتا ہے۔

یہ آمد ورفت، یہ سرگرداں ہونا، ہر ہر جگہ جاکر اس ایک خدائے وحدہ لاشریک کو پکارنا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم ہونا اور اسے منانے کے لئے رونا دھونا کہ کسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کو پالے۔ بظاہر اللہ ہمیں اس دنیا میں نظر تو نہیں آسکتا لیکن اس کے احکامات کی روشنی میں اس کی عبادت کرکے اسے پایا تو جاسکتا ہے۔ اس نے ہمیں راستے اور طریقے بھی خود بتادیئے، ابھی یہاں آؤ اور اس طرح عبادت کرکے مجھے پالو، اور یہ سب کچھ کرنا اسی طریقے سے ہے جیسا رسول اللہ نے

کیا۔اب حج کے ان سارے ارکان کو عام دنیوی سوچ اور عقل سے دیکھا جائے تو عجیب سا لگے گا، لیکن یہی اصل حقیقت ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اس شعر سے حج کے فلسفہ کو سمجھا جاسکتا ہے، جو اس رمز کو پالیتا ہے وہی کامیاب ہوجاتا ہے۔ دور سے دیکھنے والوں کو یہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کراماً کاتبین سے اس شعر میں فرشتے مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد اُس عاشقانہ کیفیت سے ناآشنا لوگ ہیں، جب تک وہ اس جذبے کے اندر نہ اُتریں وہ اس کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب وہ اس عشق حقیقی کے اندر ڈوب جائیں گے تبھی ان کو پتہ چل سکے گا۔

معشوق کے گھر یعنی خدا اور اس کے راستے سے گذرنے کی بھی ایک راحت اور فضیلت ہے۔ معشوق کے در و دیوار سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اور ساتھ ساتھ در و دیوار کی حقیقت کو بھی بیان کیا کہ معشوق کے بغیر اُن کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کر کے کہا کہ :اے پتھر! میں جانتا ہوں تیری حقیقت کچھ نہیں ہے، اگر میں نے اپنے حبیب ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ان جگہوں کی وقعت اور حیثیت ان افضل اور مقدس ترین ہستیوں کی وجہ سے ہوئی جو یہاں آئے اور یہاں سے گذرے۔

حج کا جو قافلہ ہوتا ہے یہ عُشاق کا ٹولہ ہوتا ہے، اس کارواں میں بعض حقیقی عاشق ہوتے ہیں اور بعض ظاہری، اسی وجہ سے نوازنے کے اعتبار سے فرق بھی ہوتا ہے، کسی کو خدا ملتا ہے اور کوئی وقت گذاری کر کے خالی ہاتھوں لوٹ جاتا ہے اور اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جو شخص حج کو اس کی حقیقی روح اور مقصد کے ساتھ ادا کرتا ہے تو گویا وہ خدا کو پالیتا ہے، اس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے، اور جس کو خدا نہیں ملتا وہ تہی داماں ہو کر واپس آتا ہے، اور جو پالیتا ہے تو وہ گویا معصوم نومولود بچے کی طرح ہوجاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:مَن حَجَّ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیومٍ ولدتہ اُمّہ۔ (بخاری باب فضل الحج المبرور)

ترجمہ : ’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے محض اللہ کی رضا کے لئے حج کیا اور اس حج میں گالم گلوچ نہ کی اور نہ ہی گناہ وفسق وفجور کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک صاف ہوکر) ایسے واپس لوٹتا ہے، جیسے آج ہی کے دن اس کی ماں نے اُسے جنا ہو‘‘۔

جیسے رات کے آخری وقت میں اٹھ کر مانگنا ہے۔نیک، عبادت گذار، تہجد گذار لوگ رات کے آخری وقت میں اٹھ کر اللہ سے مانگتے ہیں، کیونکہ اس وقت اللہ نے خود کہا ہے : میں اس وقت آسمانِ دنیا پر موجود ہوتا ہوں، قریب ہوتا ہوں۔اس لئے بندہ جا کر اللہ سے مانگتا ہے، تو ایسے ہی حج کے اندر اللہ نے کہا کہ: میں اس دن فلاں وقت عرفات میں موجود ہوں گا، اور اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کروں گا۔عاشق حقیقی کو یقین ہوتا ہے کہ: اللہ نے کہا ہے کہ عرفہ کے دن میں میدانِ عرفات میں موجود ہوں گا، چنانچہ حاجی مسجد حرام (جس کی اتنی فضیلت ہے کہ وہاں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے) کی بجائے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو! یہ میرے پاس پراگندہ بال، گردآلود اور لبیک وذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں کہ پروردگار! ان میں فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت وہ بھی ہے جو گناہ گار ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں بھی بخش دیا۔پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو‘‘۔

پھر اللہ نے جب حکم دیا کہ عرفات سے مزدلفہ آجاؤ، اب تم مجھے وہاں پاؤ گے تو پھر سب وہاں پہنچ گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ منیٰ واپسی کا حکم دیا کہ اب وہاں کچھ راتیں گذارو۔منیٰ ’’امنیات‘‘ (امیدوں) سے ہے، منیٰ میں موجود رہ کر اللہ کو مناتے رہو، اللہ سے امیدیں باندھو۔منیٰ کا قیام ہمارے لیے ترغیب اور تربیت ہے، دنیا کے ساتھ اپنی تمنائیں اور امیدیں نہ باندھے، دنیا میں اپنی خواہشات کو نہ ڈھونڈھے، غیر اللہ کے ساتھ امیدیں نہ باندھے، بلکہ صرف ایک ذات کو اپنی امید کا

مرکزومحور بنالے، اس ایک ذات سے مانگے اور دعائیں کرتا رہے اور منیٰ میں رہ کر شیطان کو دھتکارتا رہے اور مارتا رہے۔ایک طرف اللہ نے منیٰ میں عبادات اور دعاؤں کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی شیطان کو جا کر کنکریاں مارنے کا حکم بھی دیا۔اگران ارکان کو ان کی صحیح روح اور حقیقت کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کا بہت گہرا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے، اور پھر ساری زندگی ان شاء اللہ! اسی طرح وہ شیطان کو دھتکارتا رہے گا اور اللہ سے مانگتا رہے گا۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ بس توفیق مل گئی، یہی اصل ہے۔اسی طرح کہتے ہیں کہ ”بلاوا تو نصیب والوں کا ہوتا ہے“ اب وہ صاحب نصیب توفیق ملنے کے بعد یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب میں یہاں آ گیا ہوں، جیسے چاہے وقت گذاروں، سب قبول ہے۔توفیق یا نصیب کا مل جانا یہ یقینا سعادت مندی کی علامت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احتیاط اور ڈر بھی ضروری ہے۔اگر قدر دانی اور شکرِ نعمت ہوگا تو اس توفیق میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔بعض بزرگوں کے بارے میں سنا گیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ :حج سے ڈرنا چاہئے۔حج سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ اگر آپ حج اس مقصد اور مطلوبہ کیفیت کے ساتھ نہیں کر رہے تو وہ نجات کا ذریعہ بننے کی بجائے سوہانِ روح اور وبالِ جان بن جاتا ہے۔جو شخص محض شہرت، تفریح، نام وری، ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے حج کرے گا تو وہ کہاں سے خدا کو پا سکے گا؟۔آپ ﷺ نے فرمایا:

”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے مال دار سیر وتفریح کے لئے حج کریں گے اور بیچ کے درجہ کے لوگ تجارت کے لئے کریں گے۔اُن کے علماء اور پڑھے لکھے ریا، شہرت اور نام وری کے لئے کریں گے اور غریب لوگ سوال (مانگنے) کے لئے کریں گے“۔

حج کیفیات کے ساتھ ہے، اس لئے دورانِ حج مقصد اور کیفیات کا احساس بار بار ہونا چاہئے، اس کی فکر کرنی چاہئے، لوگ بھول جاتے ہیں۔شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ اسے گمراہ کرنے سے کبھی غافل نہیں رہتا۔لوگ سمجھتے ہیں کہ بس بلاوا آ گیا، توفیق مل گئی تو خوش ہو گئے کہ اب میں یہاں پہنچ گیا ہوں، اب جو کروں جیسے کروں، وہ سب قبول ہے۔اگر یہ تصور اور سوچ ہے تو یہ بھی شیطان ہی کا دھوکہ ہے اور شیطان کے انہی حملوں سے بچنا یہ بھی حج کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔دورانِ حج غفلت، بے توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے ہم کتنے غیر شرعی کام

کر لیتے ہیں: سب سے پہلے حج کو جاندار انسانی تصویروں اور فلموں سے سمجھا جاتا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد بھی ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں۔نمازوں کے ادا کرنے میں کوتاہی، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ وذکر اللہ کے غیبت، گناہ، منکرات ومنہیات کا ارتکاب، نامحرم عورتوں سے اختلاط، عورتوں کی بے پردگی، بدنظری اور دیگر کئی گناہ حج کے دوران سرزد ہورہے ہیں۔ ان گناہوں کے اثر سے دل کی وہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جو ملنا ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ یقیناً توفیق اس انسان کو بھی ملی ہے، لیکن یہ گناہوں کے ذریعے اپنی توفیق کو ضائع کر کے محروم ہورہا ہے۔عبادات کے ذریعے مرتب ہونے والے فوائد وثمرات کی حفاظت کے لئے گناہوں سے بچنا سخت ضروری ہے۔ اگر پرہیز کے ساتھ حج ہوگا تو حج کا فائدہ بھی ظاہر ہوگا۔اگر گناہ اور منکرات ومنہیات سے پرہیز نہ کیا اور جو توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی، اُس کی کماحقہ قدر نہیں کی تو پھر وہ شیطان کے حملوں سے نہیں بچا۔شیطان کے حملے اسی طرح جاری رہیں گے اور وہ اپنا کام کرتا رہے گا۔

اگر ایک آدمی صاحب استطاعت ہونے کے باوجود فرض حج نہیں ادا کرتا تو یہ ناشکری اور ناقدری ہے۔ گویا عملی طور پر وہ خدا کو اپنی عدم احتیاج کا اظہار کررہا ہے کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہی نہیں، حالانکہ اسے مال واسباب سے جو نوازا گیا تھا وہ اس لئے تھا کہ اب تم میری طرف آجاؤ، لیکن تم نہیں آئے۔ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے صرف صاحب استطاعت پر اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے، حدیث میں آتا ہے:

’’حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سفر حج اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے سواری کا انتظام ہو اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر مرے‘‘۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’**من اراد الحج فليتعجل**‘‘۔ **(ابوداؤد)**

ترجمہ: ’’جس نے حج کا ارادہ کرلیا تو اب اسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے‘‘۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب فرض حج ادا ہو گیا تو اب نفلی حج کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک ہی دفعہ حج کیا۔غور کیا جائے تو یہ بھی خدا کا امت پر

احسان ہے کہ اس نے صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ حج فرض قرار دیا کہ ہاں! اگر ایک دفعہ بھی تم نے حج کر کے اپنے رب کو پالیا اور تمہاری زندگی تبدیل ہوگئی تو یہ بھی تمہارے لئے کافی ہے، ورنہ جس کو اللہ نے ہمیشہ نوازا ہے، اگر وہ کامل زندگی بھی اس راستے میں لگا دے اور بار بار حج کرتا رہے تو بھی حق نہیں ادا ہو سکتا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پے در پے حج وعمرے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے، اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے''۔

یہ بات بھی زبان زدِ عام ہے کہ نفلی حج کی بجائے اس رقم سے کسی غریب اور مستحق کی ضرورت کو پورا کر دیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے، ایک مد ہے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ، جس کا مستحق ایک غریب اور ضرورت مند ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ صدقاتِ نافلہ بھی ہیں، مثلاً انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا، اپنی اولاد واہل وعیال پر خرچ کرنا، کسی کو ہدیہ تحفہ دے دینا، کسی کی دعوتِ طعام کر دینا، کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور کوئی کار خیر کرنا، یہ تمام صدقاتِ نافلہ ہیں۔ صدقاتِ نافلہ میں انسان کو اختیار رہے، دل چاہے تو یہ کرلے اور دل چاہے تو وہ کرلے۔ صدقاتِ واجبہ کو صدقاتِ نافلہ کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہئے۔ غریب اور ضرورت مند کے لئے تو اللہ نے صاحب نصاب پر ہر سال زکوٰۃ اور صدقۂ فطر فرض کیا ہے، جو صاحب نصاب کو ہر سال اور ہر حال میں ادا کرنا چاہئے۔ صاحب استطاعت نفلی حج، زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ کی رقم سے تو ادا نہیں کر رہا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر ایک صاحب حیثیت زکوۃ اور صدقات واجبہ ادا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بطورِ صدقۂ نافلہ اللہ کے راستے میں اس کے قرب کی خاطر حج ادا کر رہا ہے تو یہ بھی شریعت کے تقاضے کے مطابق ہے۔ صدقاتِ نافلہ میں انسان جہاں بھی خرچ کرے وہ کارِ خیر ہے اور ایک کارِ خیر کو دوسرے پر وقتی حالات اور ضرورت کے پیش نظر ترجیح تو دی جا سکتی ہے، لیکن کسی ایک ہی کو افضل سمجھ لینا یا ان کارہائے خیر میں باہمی تقابل کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔ بسا اوقات یہ شیطان کا دھوکہ بھی ہوتا ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں نیک کام ابھی نہیں کرنا، بعد میں کرلوں گا، ابھی کوئی دوسرا نیک کام کر لیتا ہوں، پہلا کارِ خیر مؤخر کر دیا اور اس کا وقت گذر گیا اور دوسرا نیک کام جس کا ارادہ کیا تھا پھر وہ بھی نہ کر سکا، چنانچہ اس سوچ کی وجہ سے وہ کارِ خیر سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ مالی عبادات کی قبیل سے ہیں، جبکہ حج مالی اور جانی دونوں قسم کی عبادت ہے۔ بسا اوقات تن آسانی کے لئے بھی شیطان اس طرح ورغلاتا ہے، کیونکہ حج در اصل مشقت کا نام ہے۔ ہزاروں سہولیات واسباب بڑھنے کے باوجود آج تک وہ مشقت ہر دور کے اعتبار سے برقرار ہے۔ یہ مشقتیں بھی حج کے اجر کو بڑھاتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ قران ادا فرمایا تھا، یعنی ایک سفر اور ایک احرام کے اندر دو عبادتوں کو جمع کرنا، اس میں مشقت بھی زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے قران کو افضل کہا ہے۔ غرض تن آسانی کی وجہ سے بھی یہ دھوکہ ہوجاتا ہے۔

اکثر لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ حج تو بڑھاپے کی عبادت ہے، ابھی جوان ہیں، جب گناہوں سے مکمل توبہ کرلیں گے تب جاکر حج کریں گے۔ تو یہ بھی درحقیقت شیطان ہی کا دھوکہ ہے، گویا کہ اس سوچ اور فکر سے یہ بات طے کرلی ہے کہ ہم نے ابھی مزید گناہ کرنے ہیں۔ یہ سوچ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے کہ اس نیت سے اپنے آپ کو حج فرض سے روک لیا۔ جب حج کو اس کی حقیقی روح، مطلوبہ کیفیات اور مقاصد کے ساتھ گناہوں سے بچتے ہوئے اور خالص توبہ کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو یقیناً ان شاء اللہ! سابقہ گناہ بھی معاف ہوجائیں گے اور آئندہ زندگی بھی بدل جائے گی۔ حج مبرور کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس سے زندگی تبدیل ہوجائے۔ پھر اگر نیت خالص ہوگی اور انسان بالارادہ وبالاختیار گناہوں سے بچے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ جس کی یہ سوچ ہے کہ حج بڑھاپے کی عبادت ہے تو گویا اس نے حج کا فلسفہ ہی نہیں سمجھا۔

حج جیسے عظیم الشان اجر وثواب اور فضیلت کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جن پر حج فرض ہے، لیکن وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے نہیں جاتے۔ کوئی بیوی بچوں کی تنہائی کا بہانہ بناتا ہے تو کوئی روپے پیسے اور مال ودولت کے خرچ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ کوئی دکان اور کاروبار کے اجڑ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو کوئی بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کا ہمالیہ کھڑا کردیتا ہے اور کوئی طویل صعوبتوں اور مشقتوں سے خوف زدہ نظر آتا ہے۔ یہ سب اندیشے، وسوسے، خیالات اور توہمات انہیں لوگوں کا حصہ اور نصیب ہیں جن کے دل ودماغ عشق الٰہی سے خالی اور بیت اللہ کی عظمت وبرکات سے بے بہرہ ہیں، ورنہ کون کلمہ گو انسان ایسا ہوگا جو انوارات وتجلیات کے اس عظیم ترین مرکز اور بے بہا رحمتوں اور برکتوں کے خزانہ سے دور رہنا گوارہ کرسکے؟۔

انبیائے کرام کا حج بیت اللہ

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی

بے شمار انبیاء علیہم السلام نے بیت اللہ کا حج کیا ہے، حضرت آدم، نوح، ابراہیم اور ان کے بعد کے انبیاء نے بھی بیت اللہ کا حج کیا ہے، بہت ساری پہلی امتوں نے بیت اللہ کی زیارت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں : جب حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کا حج کیا تو ملائکہ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو انھوں نے کہا : اے آدم (علیہ السلام) تمہارے حج قبول ہو، ہم نے آپ سے پہلے دو ہزار سال قبل اس بیت اللہ کا حج کیا تھا ''**حججنا هذا البيت قبلك بالفی عام**'' (خبار مکہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں : حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چالیس حج کیے ہیں ''**ان آدم عليه السلام حج اربعين حج من الهند على رجليه**'' مجاہد کہتے ہیں : کیا وہ سوار نہیں ہوتے تھے، کسی چیز پر (مثیر العزم الساکن)

حضرت عطاء سے مروی ہے، حضرت آدمؑ کو ہندوستان میں اتارا گیا، حضرت آدمؑ نے فرمایا : اے رب مجھے ملائکہ کی آواز سنائی نہیں دیتی، جس طرح میں جنت میں سنا کرتا تھا؟ فرمایا : اے آدم تمہاری ادنیٰ لغزش کی وجہ سے، جاؤ میرا گھر تعمیر کرو، جس طرح فرشتوں کو تم نے عرش کا طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام مکہ آئے، بیت اللہ کی تعمیر کی، جہاں آدم علیہ السلام کے دونوں قدم پڑے ہیں، وہ گاؤں، نہریں، اور آبادیاں بن گئی، ان کے پیروں کے فاصلہ کے بیچ جنگل بن گئے۔

''**وكان موضع قدمي آدم قرى او انهارا او عمارة، وما بين خطاه مفاوز، فحج آدم عليه السلام البيت من الهند اربعين سنة**'' (**البيهقي في الشعب الايمان**)

حضرت عطاء سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سرزمین ہند میں اتارا گیا، ان کے ساتھ جنت کی چار قسم کی لکڑیاں تھی، ''**ومعه اربعة اعواد من الجنة**'' یہ وہ عود ہیں جس سے لوگ

خوشبو حاصل کرتے ہیں، انھوں نے اس بیت اللہ کا حج کیا، صفا مروہ کی سعی کی، مناسک حج ادا کیے

(ذکرہ محب الدین طبری فی القری لقاصد ام القری ڈ)

وہب بن منبہ سے مروی ہے، جب حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ ان کو مناسک اور مشاعر سکھائیں، فرشتے ان کو لے کر چلے، ان کو مزدلفہ، منی، اور رمی جمار کے مقام پر کھڑا کیا، اللہ نے ان پر نماز، زکاۃ، روزے، جنابت کے غسل کے احکام نازل کئے''۔ **(بیھقی فی شعب الایمان)**

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: بیت اللہ کو اللہ عز وجل نے حضرت آدمؑ کے لیے بنایا، یہ اس کا طواف کرتے اور وہاں اللہ کی عبادت کرتے، پھر نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا اور غرق سے پہلے یہاں آ کر اس کی تعظیم کی، جب روئے زمین پر طوفان آیا، نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوگئی، بیت اللہ بھی طوفان کی زد میں آیا، یہ ایک سرخ ٹیلہ کی شکل باقی و برقرار رہا ''**فکان ربو حمراء معروفا مکانہ**'' پھر ہر نبی نے بیت اللہ کا حج کیا ہے ''**ثم لم یبعث نبیا الا حجہ**''۔ **(البیھقی فی السنن الکبری)**

عبد الرحمن بن عبد اللہ مولی بنی ہاشم فرماتے ہیں: جب کسی نبی کی امت کو ہلاک کر دیا جاتا تو وہ مکہ آتے، وہاں وہ اور ان کے ماننے والے عبادت کرتے، وہیں ان کی موت ہوجاتی، یہاں نوح، ہود، صالح، شعیب علیہ السلام دفن ہیں، ان کی قبریں زمزم اور حجر اسود کے درمیان ہیں۔

(الحدیث اخرجہ الازرقی فی ''اخبار مکۃ'')

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں، جس وقت نبی کریم نے حج فرمایا، تو وادی عسفان تشریف لائے، فرمایا: اس وادی سے نوح، ہود، ابراہیم علیہم السلام نوزائد اونٹیوں پر سفر کیا ہے، ان کی لگام پتوں کی تھی، ان کے کرتے عباء تھے، ان کی چادریں اون کی تھیں، انھوں نے بیت عتیق کا حج کیا ہے ''**یحجون بیت العتیق**''۔ **(رواہ الواحدی)**

مقاتل کہتے ہیں، مسجد حرام میں زمزم، مقام ابراہیم اور حجر اسود کے مابین ستر نبیوں کی قبریں، جن میں ہود، صالح، اسماعیل شامل ہیں، ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہ السلام کی قبر بیت المقدس میں موجود ہے۔ **(الاثر اخرجہ الازرقی فی اخبار مکۃ)**

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام عسفان پر ٹھہرے اور فرمایا : "**لقد مر بهذه القرية سبعون نبيا ثيابهم العباء ونعالهم الخوص**" (**الحديث اخرجه ابن ابی حاتم فی علل الحديث**)

اس گاؤں سے ستر نبی گذرے ہیں ، ان کے کپڑے عباء اور ان کے جوتے چمڑے کے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مسجد منی میں نماز پڑھی؛ اس لیے تمہیں اگر مسجد منی میں نماز کا موقع ملے تو نہ چھوڑنا "**وصلوا فی مسجد منی، فان استعطت ان لاتفوتک الصلاة فی مسجد منی فافعل**"۔ (**الاثر اخرجه الازرقی فی اخبار مكة**)

اور ایک روایت میں نبی کریم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا : مسجد خیف میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے، جن میں موسی بن عمران بھی شامل ہیں، (معجم الکبیر للطبرانی) وہاں ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ (**اخرجه الفاكهی فی اخبار مكة**)

عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے فرماتے ہیں، بیت اللہ کا ایک ہزار بنو اسرائیل کے نبیوں نے طواف کیا ہے، یہ مکہ میں مقام ذی طوی پر اپنے جوتوں کو رکھ کر داخل ہوئے تھے "**لم يدخلوا امكة حتى وضعوا انعالهم بذی طوی**") (**الاثر اجره الازرقی فی اخبار مكة** (ذوطوی باب مکہ کے قریب ایک وادی ہے)

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام ستر ہزار لوگوں کے ساتھ بیت اللہ کا حج کریں گے جس میں اصحاب کہف بھی ہوں جو کہ مر چکے ہیں ؛ لیکن انھوں نے حج نہیں کیا ہے "**فانهم لم يموتوا ولم يحجوا**"۔ (**الاثر اخرجه ابن الجوزی فی مثير العزم الساكن**)

نبی کریم ﷺ نے حج کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا، قتادہ سے مروی ہے فرماتے ہیں : میں نے حضرت انس سے دریافت کیا نبی کریم ﷺ نے کتنے حج کیے ہیں؟ فرمایا : ایک حج، چار عمرے کیے ہیں۔ (اخرجہ البخاری ومسلم، ابوداؤد والترمذی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گیارہ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لوگوں کو حج کرایا، پھر ابوبکرؓ نے رجب سن بارہ ہجری میں عمرہ کیا، پھر لوگوں کو حج کرایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔ (**الاثر اخرجه ابن الجوزی**)

محمد بن سعد سے مروی ہے کہ پہلے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد الرحمن بن عوف کی قیادت میں لوگوں کو حج کرایا، پھر انھوں نے اپنے زمانہ خلافت میں تمام حج کیے، لوگوں کو دس حج کرائے، آخری حج میں ازواج نبی ﷺ کو حج کرایا، اپنے زمانہ خلافت میں تین عمرے کیے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیارہ حج کیے ہیں۔ **(الاثر بطوله اخرجه ابن الجوزی فی مثیر العزم الساکن)**

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب خلافت ملی تو عبد الرحمن بن عوف کو سن چوبیس ہجری میں امیر بنا کر حج پر روانہ کیا، حضرت عثمان نے سن پچیس ہجری میں لوگوں کو حج کرایا، پھر حضرت عثمان لوگوں کو سن چونتیس ہجری تک حج کراتے رہے، پھر ان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا گیا، سن پینتیس میں حضرت عبد اللہ بن عباس نے لوگوں کو حج کرایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت سے پہلے حج کی تعداد معلوم نہیں، ایام خلافت میں فتنہ کی وجہ سے حج نہ کر سکے، چونکہ ان کی خلافت صرف چار سال نو مہینے رہی، ان کو سن پینتیس کے حج کی خلافت حاصل ہوئی، چونکہ حضرت عثمان کا انتقال جمعہ ۱۸/ذی الحجہ کو اسی سال ہوا تھا، سن ۳۶ میں جنگ جمل ہوئی، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا، پھر سن سینتیس میں واقعہ صفین ہوا، لوگوں کو عبد اللہ بن عباس نے ہی حج کرایا، سن ۳۸ میں لوگوں کو قثم بن عباس نے حج کرایا، پھر سن ۳۹ میں شیبہ بن عفان پر اتفاق ہوا، انھوں نے لوگوں کو حج کرایا، رمضان سن چالیس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ **(الاثر بطوله ذکره ابن الجوزی فی مثیر العزم الساکن)**

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں خود لوگوں کو حج کرایا، قضاعی کہتے ہیں، سن چوالیس اور پچاس میں انھوں نے ہی لوگوں کو حج کرایا، سن تریسٹھ می عبد اللہ بن زبیر نے لوگوں کو حج کرایا، انھوں نے مسلسل آٹھ حج کرائے۔ **(الاثر ذکره ابن الجوزی فی مثیر العزم الساکن)**

حضرت حسن بن علی نے مدینہ سے پیدل پچیس حج کیے، اپنے ساتھ اونٹوں کو ہنکا کر لے جاتے تھے، ابونعیم حلیہ میں ذکر کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اپنے رب سے اس حالت میں ملاقات کروں اور میں نے اللہ کے گھر کا پیدل حج نہ کیا، انھوں نے مدینہ سے پیادہ پا مکہ تک بیس حج کئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے پانچ حج کیے، تین پیدل، اپنے بعض حجوں میں انھوں نے بیس درہم خرچ کیے۔ **(الاثر ذکرہ ابن الجوزی فی مناقب الامام احمد بن حنبل)**

حسن دینوریؒ نے سولہ حج پیدل کیے بغیر توشہ کے ننگے پیر "**ماشیا حافیا بغیر زاد**"۔ **(ذکرہ محب الدین الطبری فی القری لقاصد ام القری)**

مغیر بن حکیم نے کچھ کم پچاس دفعہ ننگے پیر حالت احرام میں روزہ رکھتے ہوئے حج کیا ہے۔ **(الاثر ذکرہ محب الدین الطبری فی القری لقاصد ام القری)**

یہ بیت اللہ کی فضیلت حرمت اور عزت ہے، دیگر بزرگان دین نے تو ۷۰، ۸۰ بھی حج کیے ہیں، اسی قدر عمرے بھی کیے ہیں، وہ اس گھر کی عظمت وحرمت اور اس کے فضائل ومناقب اور اس کے مقامات مقدسہ، انبیاء علیہ السلام کی آمد اور دیگر اولیاء کی اس بابرکت گھر کے قصد کو جانتے تھے۔

☆☆☆

بیت اللہ کی تعمیر

ایک روایت میں ہے: جب حضرت آدمؑ کو روئے زمین پر بھیجا گیا تو فرمایا: اے آدم میرے لیے میرے آسمان میں گھر کے مقابل گھر بناؤ، جہاں تم اور تمہاری اولاد میری عبادت کرسکیں، جس طرح میرے ملائکہ میرے عرش کے ارد گرد میری عبادت کرتے ہیں، فرشتے زمین پر آئے، انھوں نے ساتویں زمین تک کھدائی کی، اس میں روئے زمین کے اوپر تک فرشتوں نے ایک چٹان رکھی، حضرت آدمؑ کے ساتھ ایک سوراخ دار سرخ یاقوت بھیجا گیا، جس کے چار سفید ستون تھے، اس کو اس بنیاد پر رکھا گیا، یہ یاقوت اسی طرح رہا؛ یہاں تک اللہ عزوجل نے اس کو اٹھالیا، اس کی بنیادیں یوں ہی برقرار رہیں، پھر اس کے بعد اولاد آدم نے فرشتوں کی بنیاد پر مٹی اور پتھر کا گھر بنایا، یہ گھر ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک معمور رہا، طوفان نوح میں یہ ڈھنک گیا، تو اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی بنیاد تلاش کرنے کا حکم دیا، جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر زمین پر مارے، زمین کے نیچے سے خانہ کعبہ کی اساس اور بنیاد ظاہر ہوگئی، پھر ملائکہ نے اس بنیاد پر ایک چٹان رکھی، جس چٹان کو بمشکل تیس لوگ اٹھا پاتے، اس کے اوپر بیت اللہ کی تعمیر کی گئی۔ (اخبار مکہ)

اناڑی پن سے بچیں!

طارق علی عباسی

کچھ لوگوں کی طبیعت اناڑی سی واقع ہوتی ہے۔ وہ اپنی ہر بات کو منوانے کی ضد رکھتے ہیں۔ انہیں اگر سمجھایا جائے اور ان کی بات کے درست نہ ہونے کو بڑے سلیقہ سے واضح بھی کیا جائے تو وہ بھڑک اٹھتے ہیں، مچل پڑتے ہیں، مشتعل ہو کر لڑنے لڑانے پر آجاتے ہیں، اپنی بھڑاس نکال کر ہی دم لیتے ہیں۔ اسی میں وہ اپنی خوشی اور سکون خیال کرتے ہیں۔

یہ بات انسانی اخلاقیات کے بالکل ہی خلاف ہے کہ خود تو برتاؤ درست نہیں رکھا جائے، مگر اوروں پر چیختے چلاتے رہیے۔ سمجھنے سمجھانے کے لیے ایسے اناڑی لوگوں کا مزاج تیار ہی نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کے لیے اپنے خیالات ٹھیک نہیں رکھتے، وہ انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں، ان کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، مطلب کہ ان کے دشمن ہیں۔ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ایسا ہوتا نہیں، مگر اس نفسیاتی خرابی کا نتیجہ تعلقات اور معاملات میں توازن کے بگاڑ کی صورت میں نکلتا ہے۔

اپنے آپ پر نظر رکھنا، اپنی غلطیوں کو درست کرنا اور دوسروں کے لیے باتونی نہیں، بلکہ واقعی بھی بہتر ثابت ہونا یہ انسانی کمالات میں سے ہے۔ اب بھلا کوئی انسانی کمالات کو اپنانے سے گریز کرے، منفی خیالات کو اپنی طبیعت کے سانچے میں ڈھال کر اپنے رویوں کو بدصورت بنالے تو اس میں قصور کسی اور کا نہیں، بلکہ اسی کا ہے جو سنبھلنے اور خبردار ہونے کو برا جانتا ہے۔ انسانی عظمت کے لیے تو یہی بات کافی ہے کہ آدمی اپنی آدمیت کو برقرار رکھے، بہترین اور مفید انسانی رویوں پر عمل کرے اور خود سے دوسرے انسانوں کو متنفر نہ بنائے، اپنے ہاں بدگمانی اور بدظنی کو راہ نہ دے، اپنی شناخت کو بہتر بنانے کی فکر میں لگا رہے۔ کوئی اگر اپنی زندگی کے ہر قدم پر بہتری چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ افہام وتفہیم کو اپنی طبیعت بنائے، اپنی سوچوں کو بند گلیوں میں رہنے سے بچائے، مخالفت اور دشمنی کو ہوا نہ دے، فتنہ پرور لوگوں اور کاموں سے دور رہے۔ اناڑی پن

متوازن انسانیت کے برعکس عمل ہوتا ہے، جس سے کئی انسانی حقوق کی حق تلفی ہوتی ہے۔

اس موقع پر الطاف حسین حالی علیہ الرحمہ کا یہ شعر غور کرنے کے قابل ہے:

"فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ"

انسان بننے کا مطلب اپنی انسانیت کو سنوارنا اور سدھارنا ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مثبت چیزوں کے اثرات منفی نکلتے ہیں۔ اس لیے معتدل اور متوازن طبیعت و مزاج بنانے کی کوشش کی جائے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر اپنے کام کاج اور اپنی مصروفیات کے بعد کبھی کبھار تنہائی میں اپنے آپ پر غور کرنا چاہیے کہ میں نے دفتری و دیگر اہداف تو حاصل کر لیے اور اپنے کاموں کو بڑی اچھائی سے انجام بھی دے دیا۔ مگر اس ساری تگ و دو میں کہیں میں نے اپنی انسانی عظمت کو کوئی ٹھیس تو نہیں پہنچائی، اپنے رویوں سے کسی کی روح میں بسنے والی لطافت کو تکلیف تو نہیں دی، اس طرح کا سوچنا، ایک دن آپ میں بڑی حد تک بہترین بدلاؤ لائے گا، جسے آپ اور دوسرے لوگ افادے اور استفادے کی صورت میں محسوس کر سکیں گے۔ اس لیے اپنی ضروریات کو پورا ضرور کریں، مگر اپنے آپ سے غافل ہرگز بھی نہ ہوں، یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آدمی کی اپنے آپ سے غفلت، اسے حیوانوں سے کہیں بدتر بنا دیتی ہے۔ مگر اسے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ کیوں کہ پھر انسان پر غفلت کے ساتھ جہالت بھی حاوی ہو جاتی ہے، جس سے انسان کے مزاج میں تعصب، اکڑ، خودرائی، ضد اور ہٹ دھرمی جنم لیتی ہے۔

پھر رفتہ رفتہ انسان اپنی انسانیت سے دور ہو جاتا ہے۔ اس لیے خود پر نظر رکھیں، انسان مخالف رویوں سے بچیں، رہنے سہنے اور آدمیت کے وقار کو ہر وقت ملحوظ رکھیں، بہتر اخلاق کے ذریعہ خوشگواری کو اپنی زندگی کا معمول بنانے کے ساتھ تعلقات اور معاملات کی خوبیوں کو اپنانے کا بھی خود کو خوگر بنائیں۔

☆☆☆

دینی مدارس، مقاصد اور پس منظر، خدمات

(حافظ صلاح الدین یوسف)

سودیت یونین کے بکھر جانے اور روس کے بحیثیت سپر طاقت زوال کے بعد امریکہ سپریم طاقت بن گیا ہے جس سے اس کی رعونت میں اضافہ اور پوری دنیا کو اپنی ماتحتی میں کرنے کا جذبہ مزید توانا، بالخصوص عالم اسلام میں اپنے اثر ونفوذ اور اپنی تہذیب وتمدن کے پھیلانے میں خوب سرگرم ہو گیا۔ نیوورلڈ آرڈر (نیا عالمی نظام) اس کے اسی جذبے کا مظہر اور عکاس ہے۔

امریکہ کے دانشور جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کی حیا باختہ تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب اپنے حیاء وعفت کے پاکیزہ تصورات کے اعتبار سے بدر جہا بہتر اور فائق ہے اس لیے یہ اسلامی تہذیب ہی اس کے نئے عالمی نظام اور اس کی عالمی چودھراہٹ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اسے ختم یا کمزور کئے بغیر وہ اپنا مقصد اور عالمی قیادت حاصل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس نے اسلامی تہذیب وتمدن کو ختم کرنے کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کردی ہیں یہ مذموم کوششیں ویسے تو ایک عرصے سے جاری ہیں اور مختلف جہتوں اور محاذوں سے یہ کام ہو رہا ہے۔

بعض محاذوں پر اس کی پیش قدمی نہایت کامیابی سے جاری ہے۔ مثلاً حقوق نسواں کے عنوان سے مسلمان عورتوں میں اپنے مذہب سے نفرت وبیگانگی اور بے حیائی وبے پردگی کی اشاعت جس میں وہ بہت کامیاب ہے چنانچہ سعودی معاشرے کے علاوہ بیشتر اسلامی ملکوں کی مسلمان عورتوں کو اس نے اسلامی تعلیمات کے بالکل برعکس پردے کی پابندی سے آزاد اور حیا وعفت کے اسلامی تصورات سے بے نیاز کر دیا ہے۔

مخلوط تعلیم، مخلوط سروس اور مخلوط معاشرت کا فتنہ اور مساوات مرد وزن کا مغربی نظریہ ایسا ہے جو ہر اسلامی ملک میں اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ گویا اس محاذ پر بھی مغرب کی سازشیں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ نرسری سے لے کر کالج اور یونورسٹیوں کی سطح تک نصاب تعلیم میں لارڈ میکالے کی وہ روح کارفرما ہے جو اس انگریزی نظام تعلیم کا موجد تھا اور جس نے کہا تھا کہ "اس سے ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا''۔

یہ بات اس نے 1834ء میں کہی تھی جب متحدہ ہندوستان انگریزوں کے زیرنگین تھا لیکن آزادی کے بعد بھی چونکہ یہی نصاب تعلیم بدستور جاری ہے اس لیے خیالات اور تمدن میں انگریز بننے کا سلسلہ بھی جاری ہے، انگریزی زبان کے تسلط اور برتری سے بھی وہ اپنے مذکورہ مقاصد حاصل کر رہا ہے اور ہم نے اس کی زبان کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے اور یوں اس کے استعماری عزائم اور اسلام دشمن بلکہ اسلام کش منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں اس کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔

اقتصاد و معیشت میں بھی ہم نے اس کی پیروی اختیار کر رکھی ہے اور سودی نظام کو جو لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات کا حکم رکھتا ہے ہم نے اسے مکمل تحفظ دے رکھا ہے اور اسے ہر شعبے میں بری طرح مسلط کیا ہوا ہے۔جس کی وجہ سے اقتصادی ناہمواری عروج پر ہے۔امیر امیر تر اور غریب، غریب تر بنتا جا رہا ہے نو دولتیوں کا ایک ایسا طبقہ الگ معرض وجود میں آچکا ہے جو پوری طرح مغربیت کے سانچے میں ڈھل چکا ہے، اس کا رہن سہن بود و باش، طور اطوار حتیٰ کہ لہجہ و زبان تک سب کچھ مغربی تہذیب کا والہ و شیدا اور پرستار ہے اور اس کے شب و روز کے معمولات مغربی معاشرے کے عین مطابق ہیں۔

سیاست و نظم حکومت میں بھی ہم نے جمہوریت کو اپنایا ہوا ہے جو مغرب ہی کا تحفہ ہے۔یہ پودا مغرب میں ہی پروان چڑھا وہاں کی آب و ہوا شاید اسے راس ہو۔لیکن اسلامی ملکوں کے لیے جمہوریت اسلام سے محروم کرنے کی ایک بہت بڑی سازش ہے جس کے دام ہم رنگ زمین میں بیشتر اسلامی ملک پھنس چکے ہیں۔کچھ تو اس کی ''برکت'' سے اسلامی اقدار و روایات سے بالکل بیگانہ ہو چکے ہیں جیسے ترکی۔کچھ سخت جان ہیں تو وہاں اسلامی اقدار اور مغربی اقدار میں سخت کشمکش برپا ہے برسر اقتدار حکمران مغربی تہذیب و تمدن کو مسلط کرنے پر تلے ہوئے ہیں جب کہ اسلامی تہذیب سے محبت کرنے والا ایک گروہ اس کے خلاف مزاحمت کر رہا ہے تاہم عوام کی اکثریت، بیشتر اسلامی ملکوں میں دینی جذبہ و احساس اور شعور سے محروم ہونے کی وجہ سے (**النَّاسُ علی دِینِ ملوکھم**) کے تحت مغرب کی حیا باختہ تہذیب ہی کو اپنا رہی ہے۔

ہماری صحافت بالخصوص روز نامے، مغربی ملکوں کے روزناموں سے بھی زیادہ بے حیائی پھیلانے میں مصروف ہیں۔چند ٹکوں کی خاطر مسلمان عورت کو روزآنہ عریاں اور نیم عریاں کر کے

پیش کرتے ہیں۔تا کہ عوام کی ہوس پرستی اور جنسی اشتہاء کی تسکین کر کے ان کی جیبوں سے پیسے بھی کھینچے جائیں اور انہیں دولت ایمان سے بھی محروم کردیں۔ان غارت گران دین وایمان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان مہ وشوں ،سیمیں تنوں اور ہزنان تمکین و ہوش کی رنگیں اور شہوت انگیز تصویروں سے عوام کے اخلاق وکردار کس بری طرح بگڑ رہے ہیں ،بے حیائی اور بے پردگی کو کس طرح فروغ مل رہا ہے اور فحاشی کا سیلاب کس طرح ہر گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے انہیں صرف اپنی کمائی سے غرض ہے اس کے علاوہ ہر چیز سے انھوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں ان مایوس کن ایمان شکن اور روح فرسا حالات میں صرف دینی تعلیم وتربیت کے وہ ادارے اور مراکز ہی امید کی کرن ہیں جنہیں مدارس دینیہ اور مراکز اسلامیہ کہا جاتا ہے جہاں محروم طبقات کے بچے یا دینی جذبات سے بہرہ لوگوں کے نوجوان دین کے علوم حاصل کر کے مسلمان عوام کی دینی رہنمائی بھی کرتے ہیں اور ان کی دینی ضروریات کا سروسامان بھی ان کی وجہ سے ہی تمام مذکورہ شیطانی کوششوں کے باوجود اسلامی اقدار وروایات ایک طبقے کے اندر موجود ہیں معاشرے کے اندر اسلامی تشخص کسی نہ کسی انداز سے زندہ ہے اور اسلامی عبادات وشعائر کا احترام لوگوں کے دلوں میں ہے اس لحاظ سے یہ دینی مدارس اپنی تمام تر کوتاہیوں محرومیوں اور کس مپرسی کے باوجود جیسے کچھ بھی ہیں اسلام کے قلعے اور اس کی پناہ گاہیں ہیں دینی علوم کے سرچشمے ہیں جن سے طالبان دین کسب فیض کرتے اور تشنگان علم سیراب ہوتے ہیں اور دین کی وہ مشعلیں ہیں جن سے کفر وضلالت کی تاریکیوں میں ہدایت کی روشنی پھیل رہی ہے۔اور اس کی کرنیں ایک عالم کو منور کر رہی ہیں۔ان کی یہ خوبی ہی دشمن کی آنکھ میں کانٹا بن کر کھٹک رہی ہے،اسلام دشمن استعماری طاقتیں جنہوں نے عالم اسلام کو مذکورہ حسین جالوں میں پھنسا رکھا ہے اور جو اسے اسلام کی باقیات سے بالکل محروم کر دینا چاہتی ہیں۔اب ان کا ہدف اسلامی تنظیمیں اور دینی مدرسے ہیں اسلامی جماعتوں کو بنیاد پرست اور دہشت گرد قرار دلوا کر انہیں ملکی سیاست سے باہر نکالنا چاہتی ہیں تا کہ انتخابات کے مرحلے میں بھی اسلام کا نام لینا جرم بن جائے۔

مسلمان سربراہوں کی حالیہ کانفرنس سے جو کاسابلانکا میں ہوئی ،اس کے بعد اب یہ استعماری طاقتیں عالم اسلام میں برسر اقتدار حکومتوں کے ذریعے سے دینی مدرسوں کو بھی ان کے اصل کردار

سے محروم کرنا چاہتی ہیں چنانچہ مغرب کی آلہ کار حکومتیں اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اب اس محاذ پر سرگرم ہوگئی ہیں اور دینی مدارس کے خلاف بیان بازی کے بعد فرقہ واریت کی آڑ میں ان میں مداخلت کے لیے پر تول رہی ہیں تاکہ انہیں ان کے اس تاریخی کردار سے محروم کردیا جائے جو وہ ڈیڑھ دو صدی سے انجام دے رہے ہیں اور یہاں سے بھی اسلام کے داعی و مبلغ مفسر و محدث اور مفتی وفقیہ پیدا ہونے کی بجائے وہی مخلوق پیدا ہو جو کالج اور یونورسٹیوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ جس نے معاشرے سے اس کا امن وسکون چھین لیا۔ جو میڈونا اور مائیکل جیکسن کی پرستار ہے اور اسلامی اقدار وروایات کے مقابلے میں مغربی اقدار اور روایات کی شیدا اور اس کی تہذیب پر فریفتہ ہے۔

مدارس دینیہ: پس منظر اور مقاصد و خدمات:

یہ مدارس دینیہ عربیہ جن میں قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، صدیوں سے اپنے ایک مخصوص نظام ومقصد کے تحت آزادانہ دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان مدارس دینیہ کے پس منظر غرض وغایت اور ان کی عظیم دینی خدمات سے ناواقف لوگ ان کے متعلق مختلف قسم کی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ کبھی ان مدارس کو بے مصرف اور ان میں پڑھنے پڑھانے والے طلبا وعلماء کو ''یادگار زمانہ'' کہا جاتا ہے کوئی انہیں ملائے مکتب اور ابلہ مسجد قرار دیتا ہے جو اُن کی نظر میں زمانے کی ضروریات اور تقاضوں سے ناآشنائے محض ہیں اور کوئی ''اصلاح '' کے خوشنما عنوان سے اور ''خیر خواہی'' کے دل فریب پردے میں باز (شکرے) کے روایتی قصے کی طرح انہیں ان کی تمام خصوصیات سے محروم کردینا چاہتے ہیں۔ اب ایک مخصوص گروہ کو سامنے رکھتے ہوئے جن کا کوئی تعلق دینی مدارس سے نہیں ہے انہیں ''دہشت گرد'' بھی باور کرایا جا رہا ہے۔ غرض یہ مدارس اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ''جتنے منہ اتنی باتیں'' کے مصداق ہر کہ ومہ کی تنقید کا نشانہ اور ارباب دنیا کے طعن وتشنیع کا ہدف ہیں بلکہ اب بین الاقوامی استعمار کی خاص ''نگاہ کرم'' بھی ان پر مبذول ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ مدارس اپنے مخصوص پس منظر اور خدمات کے لحاظ سے اسلامی معاشرے کا ایک ایسا اہم حصہ ہے جس کی تاریخ اور خدمات سنہرے الفاظ میں لکھے جانے کے قابل

ہیں ،ان میں پڑھنے پڑھانے والے نفوس قدسیہ نے ہر دور میں باوجود بے سرو سامانی کے دین اسلام کی حفاظت وصیانت کا قابل قدر فریضہ انجام دیا ہے۔ان مدارس کے قیام کا پس منظر یہی تھا کہ جب حکومتوں نے اسلام کی نشرواشاعت میں دلچسپی لینا بند کر دی اور اسلامی تعلیم وتربیت میں مجرمانہ تغافل برتا تو علمائے اسلام نے ارباب حکومت اور اصحاب اختیار کی اس کوتاہی کی تلافی یوں کی کہ دینی تعلیم وتربیت کے ادارے قائم کئے جو عوام کے رضا کارانہ عطیات اور صدقات وخیرات پر چلتے تھے۔ یہ دینی ادارے بالعموم سرکاری سرپرستی سے محروم ہی رہے ہیں اور اس میں ان کے تحفظ وبقا کا راز مضمر ہے۔ بالخصوص برطانوی ہند میں جب کہ انگریزوں نے لارڈ میکالے کے نظریہ تعلیم کے مطابق انگریزی تعلیم کو رواج دیا اور مسلمان عوام ملازمت اور دیگر مناصب ومراعات کے لالچ میں کالج اور یونیورسٹیوں کی طرف دیوانہ وار لپکے اور دینی تعلیم اور دینی اقدار سے بے اعتنائی و بیگانگی برتنے لگے تو علماء اور اصحاب دین نے اس دور میں متحدہ ہندوستان کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں دینی مدارس کا جال پھیلا دیا۔

انگریزوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے جس انگریزی نظام تعلیم کو نافذ کیا تھا اس کے دو بڑے مقصد تھے، ایک دفتروں کے لیے کلرک اور بابو پیدا کرنا دوسرا مسلمان کو اس کے دین اور اس کے شعائر سے بیگانہ کر دینا۔ بدقسمتی سے دور غلامی کا یہ مخصوص نظام تعلیم اپنے مخصوص مقاصد سمیت تاحال قائم ہے، اسی لیے دینی مدارس کی ضرورت بھی محتاج وضاحت نہیں۔ بنابریں علماء جب سے اب تک ان مدارس کے ذریعے سے دین کی نشرواشاعت اور دینی اقدار وشعائر کی حفاظت کا فریضہ نامساعد احوال اور انتہائی بے سروسامانی کے باوجود سرانجام دے رہے ہیں۔

یہ انہی مدارس کا فیض ہے کہ ملک میں اللہ رسول کا چرچا ہے، حق وباطل کا امتیاز قائم ہے، دینی اقدار وشعائر کا احترام وتصور عوام میں موجود ہے اور عوام اسلام کے نام پر مر مٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ دینی مدارس کے اس پس منظر، غرض وغایت اور خدمات سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کے قیام کا مقصد ڈاکٹر، وکیل انجینئر صنعت کار کلرک و بابو پیدا کرنا نہیں بلکہ علوم دینیہ کے خادم، دین اسلام کے مبلغ و داعی، قرآن کے مفسر احادیث کے شارح اور دین متن کے علم بردار تیار کرنا ہے، ان کا نصاب تعلیم اسی انداز کا ہے جن کو پرکھ کر وارثان منبر ومحراب ہی پیدا ہوتے ہیں کیونکہ

ان کا مقصد ایسے ہی رجال کار پیدا کرنا ہے نہ کہ دیگر شعبہ ہائے زندگی میں کھپ جانے والے افراد۔اس لیے بنیادی طور پر ان کے نصاب تعلیم میں تبدیلی یا ان کی آزادانہ حیثیت میں تغیر دونوں چیزیں ان کے مقصد وجود کی نفی کے مترادف ہیں۔

نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلی سے دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء نہ دین کے رہیں گے نہ دنیا کے۔اگر کسی محدود سے نفاذ کے ساتھ وہ دینوی شعبے میں رکھنے کے لائق ہو بھی گئے تو بہر حال یہ تو واضح ہے کہ دینی علوم اور مذہبی تبلیغ سے ان کا رابطہ ختم ہو جائے گا یا اگر رہے گا بھی تو اس انداز کا نہیں رہے گا جو اسلامی علوم کی نشر واشاعت اور اس کی تبلیغ کے لیے مطلوب ہے،اس طرح ان مدارس سے دین کے وہ خدام تیار ہونے بند ہو جائیں گے جن کے ذریعے سے (قال اللہ وقال الرسول) کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں آئمہ وخطباء،حفاظ وقراء اور مدرسین ومؤلفین پیدا ہو رہے ہیں جن سے مختلف دینی شعبوں کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔اگر نصاب تعلیم کی تبدیلی سے یہی نتیجہ نکلا اور یقینا یہی نکلے گا تو ظاہر بات ہے کہ مدارس دینیہ کی مخصوص حیثیت ختم ہو جائے گی۔اور وہ بھی عام دنیوی اداروں (اسکول،کالج یونیورسٹی وغیرہ) کی طرح ہو جائیں گے،حالانکہ دنیوی تعلیم کے یہ ادارے پہلے ہی ہزاروں کی تعداد میں ہر چھوٹی بڑی جگہ پر موجود ہیں۔بنا بریں دینی مدارس کے نصاب میں بنیادی تبدیلی کے پیچھے خواہ کتنے ہی مخلصانہ جذبات اور خیر خواہانہ محرکات کارفرما ہوں۔تاہم یہ جذبات ومحرکات بالغ نظری کی بجائے سطحیت کا شاخسانہ ہیں اور اس سے دینی تعلیم اور دینی ضروریات کا سارا نظام تلپٹ ہوسکتا ہے اور مختلف عنوانات سے اس میں مداخلت کرنے والوں کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے!

اسی طرح ان مدارس دینیہ کی آزادانہ حیثیت ختم کر کے ان کو سرکاری سرپرستی میں دے دینا سخت خطرناک ہوگا۔حکومتیں بدلتی رہتی ہیں بالخصوص آج کل جب کہ کسی حکومت کو قرار واثبات نہیں اور نظریاتی انتشار فکری بے راہ روی اور مغربیت عام ہے ہوسکتا ہے ایک حکومت مخلص ہو اور وہ فی الواقع دینی مدارس کو اپنی سرپرستی میں لے کر دینی علوم کی زیادہ سے زیادہ نشر واشاعت کرنا چاہتی ہو لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو انتقال اقتدار کا مرحلہ آیا اور حکومت کسی دین دار آدمی کی بجائے کسی سیکولر ابن الوقت اور ملحد کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ ان مدارس کو اپنے مخصوص مقاصد

کے لیے استعمال نہیں کرے گا یا ان کی دینی حیثیت کو تبدیل نہیں کرے گا۔ بنا بریں دینی اداروں کو سرکاری سرپرستی سے بچا کر رکھنا بھی ان کی دینی افادیت وحیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ سرکاری سرپرستی کسی موقع پر ان کے لیے دست غیب کی بجائے دست اجل بھی ثابت ہوسکتی ہے جس طرح ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے دور میں ہوا کہ دینی اداروں کا وجود بالکل ختم کردیا گیا۔

اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس محاذ پر حکومت کا سرگرم اور فکرمند ہونا صحیح نہیں۔ ہم حکومت سے عرض کریں گے کہ وہ دینی مدارس کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دینی اداروں میں بہت سی چیزیں اصلاح طلب ہیں اس سے انکار نہیں۔ لیکن حکومت اس شعبے کو کم از کم اپنے اصلاحی اقدامات سے خارج کردے۔ زندگی کے اور دیگر تمام شعبے سخت اصلاح طلب ہیں حکومت اپنی توجہ تمام تر اس طرح مبذول کرے۔ اگر دینی تعلیم کے اہتمام کا زیادہ ہی شوق ہے تو وہ اپنا یہ مقصد اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں ضروری تبدیلی کر کے حاصل کرسکتی ہے اور حکومت کو یہ مقصد دنیوی تعلیم کے اداروں کی ہی اصلاح کر کے اور ان کے ذریعے سے ہی حاصل کرنا چاہیے کیونکہ دینی ادارے گو کتنے ہی اصلاح طلب ہوں۔ تاہم وہ ملک میں اخلاقی انارکی فکری بے راہ روی اور نظریاتی انتشار نہیں پھیلا رہے۔ جب کہ اسکول اور کالج وغیرہ یہ کام بڑی سرگرمی سے انجام دے رہے ہیں اس لیے اصل ضرورت اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں تبدیلی ان کے انتظامی معاملات میں دخل اندازی اور ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کی ہے نہ کہ مدارس دینیہ کے نصاب یا نظم ونسق میں دخل اندازی کی۔

دوسری طرف مدارس دینیہ کے ارباب وانتظام اور مسند نشینان درس وافتاء سے بھی ہم عرض کریں گے کہ ان کی اصل پونجی اعتماد علی اللہ ہے اب تک تو کلا علی اللہ ہی تمام مدارس دینیہ اپنا کام کرتے آئے ہیں اور انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں بھی انھوں نے دینی علوم کی خدمت کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیا ہے اور کچھ نہ ہونے کے باجود اپنے دائروں میں بہت کچھ کیا ہے۔

☆☆☆

دینی مدارس کے طلبہ سے چند گزارشات

مولانا زاہدالراشدی

طلبہ خوش قسمت ہیں جو کسی بھی مدرسہ میں اور کسی بھی درجہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر وہ طلباء اس لحاظ سے زیادہ خوش قسمت ہیں جو دینی اور عصری تعلیم دونوں اکٹھی حاصل کر رہے ہیں۔ یہ دونوں تعلیمیں ہماری ضرورت ہیں اور قرآن کریم نے ''في الدنيا حسنة'' اور ''في الآخرة حسنة'' کی دعا سکھا کر یہ سبق دیا ہے کہ دین و دنیا دونوں ضروری ہیں۔ انسان جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے، ہم عصری علوم میں جو کچھ سیکھتے ہیں وہ ہمارے جسم کی ضروریات کے لیے ناگزیر ہے اور دینی علوم میں جسم کے ساتھ ساتھ روح کی ضروریات کا بھی پوری طرح لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے موبائل فون کے ساتھ ایک کنکشن ہوتا ہے۔ موبائل فون کی ضرورت یہ ہے کہ وہ صحیح کام کرے اور اسے چارجنگ ملتی رہے جبکہ کنکشن کی ضرورت یہ ہے کہ وہ ایکٹیو ہو اور اسے بیلنس ملتا رہے۔ اسی طرح جسم اور روح دونوں کے تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں جو دینی و عصری علوم دونوں حاصل کر کے ہی پورے کیے جا سکتے ہیں اور آپ کے لیے آپ کے والدین نے یہ دونوں ضرورتیں پوری کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

دوسری بات طلبہ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کار خیر میں آپ لوگ اکیلے نہیں ہیں بلکہ بہت سے دوسرے لوگ بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں جن کے بغیر یہ کام آپ نہیں کر سکتے۔ سب سے پہلے تو والدین ہیں جن کے شوق اور ارادے نے آپ کو یہاں پہنچایا ہے، اس کے بعد اساتذہ ہیں جو آپ کو پڑھا رہے ہیں، پھر مدرسہ کے منتظمین ہیں جو شب و روز آپ کی ضروریات کے لیے مصروف عمل ہیں اور ان کے ساتھ وہ معاونین ہیں جن کے تعاون سے یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ آپ نے تعلیم کے دوران ان سب کو یاد رکھنا ہے، ان کا احسان مند رہنا ہے اور ان کے لیے دعائیں کرتے رہنا ہے۔ کیونکہ ان سب کے تعاون سے ہی آپ لوگ یہ کام کر پائیں گے۔

تیسری بات یہ ہے کہ علم کے حصول کا راستہ کیا ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، جو

امت کے مفسرین کے سردار کہلاتے ہیں، ان کا ایک واقعہ ذکر کروں گا۔ وہ فرماتے تھے کہ میرے پیچھے نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا کام کر رہی ہے کہ ''اللّٰھم علمہ الکتاب وقہ سوء الحساب'' اے اللہ! اس نوجوان کو قرآن کا علم عطا فرما اور اسے حساب کتاب کی سختی سے محفوظ رکھنا۔ میں یہ عرض کروں گا کہ یہ دعا ویسے ہی نہیں مل گئی تھی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تیرہ چودہ سال کے بچے تھے از خود پانی کا لوٹا بھر کر پیچھے چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ ان کی اس بات پر بہت خوش ہوئے اور وضو کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر ان سے پوچھا کہ عبداللہ! تمہارے لیے کیا دعا مانگوں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے قرآن کریم کا علم چاہیے جس پر جناب رسول اکرم ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا مانگی۔ اس لیے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے تو بلاشبہ حضور کی دعا تھی مگر اس دعا کے پیچھے ان کا یہ شوق تھا کہ مجھے قرآن کریم کا علم چاہیے اور اس کے ساتھ ان کی محنت اور خدمت بھی شامل تھی۔ اس لیے علم کا راستہ شوق، محنت اور خدمت کے ساتھ بزرگوں کی دعاؤں کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

چوتھی بات طلبہ کے لیے یہ ہے کہ علم آپ لوگ اس لیے حاصل کر رہے ہیں کہ اس پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنواریں اور پھر اس علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ لیکن دوسروں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ خود آپ کا علم پختہ ہو جو کہ محنت، پابندی، توجہ اور شوق کے بغیر نہیں ہوتا۔ اگر آپ کا علم پختہ نہیں ہوگا اور دوسروں کو پہنچانے کے مرحلہ میں آپ کو یاد نہیں ہوگا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسے ایک لطیفہ کی صورت میں بیان کرنا چاہوں گا۔ کہتے ہیں کہ ایک خان صاحب کو راستہ میں ایک ہندو جاتے ہوئے ملا۔ خان صاحب کو غصہ آیا، اسے گریبان سے پکڑ کر مکہ تان لیا اور کہا کہ ''کاپر کا بچہ کلمہ پڑھتے ہو یا نہیں؟'' اس نے سوچا کہ کلمہ نہ پڑھا تو خان صاحب سے مار پڑے گی، اس نے کہا کہ ''ٹھیک ہے مجھے کلمہ پڑھائیں میں پڑھنے کے لیے تیار ہوں''۔ اس پر خان صاحب بولے ''کاپر کا بچہ خود پڑھو، آتا مجھے بھی نہیں ہے''۔

میں طلبہ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ پورے شوق اور محنت کے ساتھ اتنا پڑھو اور اس طرح پڑھو کہ کل تمہیں دنیا کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کرتے ہوئے ادھر ادھر نہ دیکھنا پڑے اور یہ نہ

کہنا پڑے کہ ''خود پڑھو، آتا مجھے بھی نہیں''۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھیں کہ جب آپ لوگ تعلیم سے فارغ ہو کر عملی زندگی میں چلے جائیں گے تو طالب علمی کا یہ دور اور یہ فرصت دوبارہ زندگی بھر نہیں ملے گی اور جو علم پڑھنے سے رہ گیا یا جس میں کمزوری رہ گئی اسے دوبارہ پڑھنے کی پوری زندگی حسرت ہی رہے گی۔ اس لیے اس دور کو غنیمت سمجھتے ہوئے وقت ضائع نہ کریں بلکہ شوق سے پڑھیں، محنت سے پڑھیں، پابندی سے پڑھیں، ناغہ نہ کریں اور پوری توجہ تعلیم کے حصول میں صرف کر دیں تاکہ آپ خود بھی اس علم سے پورے اعتماد کے ساتھ استفادہ کر سکیں اور دوسروں تک بھی اطمینان اور حوصلہ کے ساتھ یہ علم پہنچا سکیں۔

پیکر خلق عظیم

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ بردبار، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ انصاف پسند، سب سے زیادہ پاکدامن اور سب سے زیادہ سخی تھے؛ یہاں تک کہ کوئی رات ایسی نہیں آتی جس میں آپ ﷺ کے پاس کوئی درہم دینار بچتا ہو (رات آنے سے ہی پہلے سب خرچ کر ڈالتے تھے) اور اگر کبھی کچھ درہم یا دینار بچ جاتا اور اسی حالت میں رات آجاتی تو آپ ﷺ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے جاتے جب تک اسے کسی ضرورت مند کو دے کر فارغ نہ ہو جاتے۔ آپ ﷺ اتنے باحیا تھے کہ اپنی نظریں کسی چہرے پر نہیں جماتے تھے، خود ہی اپنا نعل مبارک سی لیتے، کپڑوں میں پیوند خود ہی لگا لیا کرتے، گھریلو کام کاج میں بیویوں کا تعاون فرماتے، غلام اور آزاد سب کی دعوت قبول فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے خواہ دودھ کا ایک گھونٹ ہو یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہو، باندیوں اور مسکینوں کی حاجت روائی میں تکبر نہیں فرماتے، ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں تشریف لے جاتے، فقراء کے ساتھ بیٹھتے، مسکینوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، مزاح فرماتے؛ لیکن سچ بولتے، ہنستے؛ لیکن قہقہہ نہ لگاتے، بااخلاق لوگوں کی عزت کرتے، کسی پر ظلم نہ کرتے، معذرت خواہ کا عذر قبول فرماتے، کسی کو حقیر نہ جانتے اور نہ ہی کسی پر برتری اختیار فرماتے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کی ذات اقدس میں تمام محاسن اور خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ (احیاء العلوم)

توہین رسالت کی روک تھام کیسے کریں

محمد امین

اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ امریکہ اور یورپ، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اگرچہ ہم مغرب کی طاقت سے خوفزدہ ہو کر، اس کی غالب فکر وتہذیب سے مرعوب ہو کر، اس کی زبردست پروپیگنڈا مشینری سے متاثر ہو کر، بین الاقوامی سطح کے سیاسی پلیٹ فارموں پر ڈپلومیٹک '(یعنی منافقانہ) انداز اختیار کرتے ہوئے اور گلوبلائیزیشن اور مذاہب وتہذیبوں کے درمیان مکالمے کے علمی پلیٹ فارموں پر معروضی انداز اختیار کرنے کے زعم میں بالعموم اس کا اظہار نہیں کرتے یا نہیں کر پاتے۔

اور یہ بات آج کی نہیں، صدیوں پرانی ہے بلکہ مغربی تہذیب کا خمار اٹھا ہی اسلام اور مسلمان دشمنی پر ہے۔ جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا اور مشرقی رومن کیتھولک ہیڈ کوارٹر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہاں سے نکلنے والے عیسائی پادریوں نے سارے یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں سے آگ لگا دی اور اس سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے تحریک پکڑی۔ متحدہ یورپ کی طرف سے شروع کردہ صلیبی جنگیں بھی اسی کا مظہر تھیں اور یہ بھی اسی کا شاخسانہ تھا کہ یورپ نے مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کیں اور اُنہیں کمزور کر کے اپنی برتر فوجی قوت سے بہیمیت سے کچلا اور ان کے ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ پھر مسلم تہذیب کی ایک ہزار سالہ خوشحالی سے جمع کردہ مسلمانوں کی دولت اور مادی وسائل کو بے دردی سے لوٹا اور ان سے سائنس و ٹیکنالوجی کو ترقی دے کر اپنے رخساروں کی لالی میں اضافہ کیا۔

بیسویں صدی کے وسط میں باہم دو عظیم جنگوں سے جب یورپ کمزور ہو گیا تو اسے مجبوراً مسلم ملکوں کو آزادی دینا پڑی۔ اس ادھوری اور نام نہاد آزادی کے بعد بھی امریکہ و یورپ کی مسلمان ملکوں کے خلاف پر امن سازشیں اور پلاننگ جاری رہی اور وہ انہیں سیاسی، معاشی، دفاعی، تعلیمی غرض ہر لحاظ سے پیچھے رکھنے کے لئے کامیاب کوششیں کرتے رہے۔ ان سازشوں کے باوجود جب چند مسلم ممالک بطورِ استثناء کچھ بہتر حالت میں آ گئے، ملائشیا اقتصادی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا

ہو گیا، عراق دفاعی طور پر مضبوط ہو گیا، افغانستان نے اسلامی حکومت کی طرف پیش قدمی کی) تو امریکہ نے یورپ کو ساتھ ملا کر حیلے بہانے سے پہلے عراق کو برباد کیا، پھر افغانستان کو تہہ و بالا کیا اور اب ایران پر بھی مستقل دباؤ جاری ہے۔

اس ساری صورتِ حال کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ امریکہ و یورپ اسلام کے بدخواہ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ نائن الیون کا واقعہ سی آئی اے اور موساد کی ایک وسیع الاطراف سازش تھی جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک پر حملہ کر دیا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی رائے عامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر دیا جائے تا کہ اہل مغرب ان مسلمانوں سے اور ان کے دین سے نفرت کرنے لگیں جو وہاں مقیم ہیں۔ اور یوں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے دور رکھا جاسکے تا کہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔ اِس مہم کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے کم نظر اَدیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے اسلام اور مسلم دشمن کاروائیاں شروع کر دیں۔ نبی کریم کے خلاف ہرزہ سرائی اور آپ کی سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام تو وہ صدیوں سے کرتے آرہے تھے۔ اب تازہ حالات میں اُنہیں نئی کمک ملی تو وہ پیغمبر اسلام کے اخبارات و انٹرنیٹ پر کارٹون بنانے لگے، فلمیں بنانے اور مضامین لکھنے لگے اور یوں مسلمانوں کو مشتعل کر کے اور ان کا مذاق اڑا کر اپنی حسِ باطل کو تسکین دینے لگے۔

اس کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں نے اپنے اسلام دشمن اقدامات الگ جاری رکھے جیسے فرانس اور جرمنی میں حجاب پر پابندی اور سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں پر پابندی وغیرہ

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس صورتِ حال سے کس طرح مؤثر طریقے سے نمٹ سکتے ہیں کہ اہل مغرب اپنی کمینی حرکتوں سے باز آجائیں اور انہیں احساس ہو جائے کہ وہ غلط کر رہے ہیں اور ان کے اقدام سے کروڑوں مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم عرض کریں گے کہ مسلمان اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کا جواب دینے کے لئے دو طرح کے اقدامات کر سکتے ہیں : ایک فوری نوعیت کے اقدامات اور دوسرے دیرپا اور دوررَس اثرات رکھنے والے اقدامات۔ ظاہر ہے کہ یہ اقدامات اس مخصوص تناظر اور ماحول میں ہی تجویز کئے جا رہے ہیں جس کی جدید ریاستوں میں مسلمانوں کے پاس گنجائش موجود ہے، باقی اقدامات علمی یا نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں۔ (درحقیقت اس صورتحال کا کلی خاتمہ تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب

تک امتِ مسلمہ اپنی ہمہ جہتی قوت سے اپنے مخالفوں کے دل میں رعب طاری نہ کردے۔ دنیا میں پرامن بقائے باہمی ملی قوت اور زورِ بازو سے ہی مل سکتی ہے اور جرمِ ضعیفی کی سزا یہی ہے جوملتِ اسلامیہ آج بھگت رہی ہے)۔

فوری سدِ باب کے مراحل:

فوری اقدام کے طور پر جو احتجاج کیا جائے، اس کے خدوخال یہ ہونے چاہئیں:

(الف) عوامی احتجاج، جس میں تین خصوصیات ہوں:

(۱) احتجاج میں لاکھوں افراد شریک ہوں۔

(۲) یہ پرامن ہو۔

(۳) یہ عالمی سطح کا ہو۔

(۴) حکومتی سطح پر احتجاج۔

(۵) استغفار۔

عوامی احتجاج:

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے جواب میں بھرپور عوامی احتجاج ہونا چاہئے، لیکن اس احتجاج کے مؤثر ہونے کی تین شرائط ہیں:

(الف) اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے عوامی سطح پر بڑے بڑے اور پرامن مظاہرے ہونے چاہئیں جن میں لاکھوں افراد شریک ہوں اور جن کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پبلسٹی کا بھرپور انتظام ہو۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ سارے دینی عناصر یکجا اور متحد ہوجائیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر جماعت اور تنظیم اپنی اپنی پارٹی کے جھنڈے اور بینرز اٹھائے ہوئے چند سو کی تعداد میں سڑکوں پر نکلتی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریلیاں ایک طرف عالمی سطح پر (یاد رہے کہ یہ کوئی مقامی مسئلہ نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے اور ہمیں اس طرح سے احتجاج کرنا ہے جس کے اثرات یورپ وامریکہ تک پہنچیں) کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتیں۔ (اگرچہ نہ ہونے سے بہرحال بہتر ہیں، لیکن یورپ وامریکہ میں دیکھئے، مثلاً عراق

پر امریکی حملے کے خلاف وہاں لاکھوں افراد کے مظاہرے ہوئے) دوسری طرف یہ ہمارا پول کھولتی ہیں کہ ہم اپنے نبی مکرم کے ناموس کے لئے بھی متحد نہیں ہو سکتے اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اپنا تشخص اور اپنا نام اتنا عزیز ہے (یعنی ناموسِ رسالت سے بڑھ کر عزیز ہے) کہ وہ اس مقصد کے لئے بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اوّلاً تو یہ ضروری ہے کہ ساری قوم اور ساری تنظیمیں جماعتیں تحریکیں اور اِدارے مل کر اس مقصد سے ایک مشترکہ تنظیم بنالیں اور اس مقصد سے بنائی گئی موجودہ تنظیمیں باہم مدغم ہو کر ایک بڑی تنظیم بن جائیں یا کم از کم وہ اشتراکِ عمل ہی کرلیں۔لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے تو اس کا کیا مطلب لیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ ہمیں ناموسِ رسالت کے مقابلے میں اپنی تنظیم، جماعت اور اپنے مسلک کا تشخص زیادہ عزیز ہے۔العیاذ باللہ!

ہمیں یاد ہے کہ ماضی میں بعض سیاسی جماعتوں کی دیکھا دیکھی بعض دینی جماعتوں نے بھی اپنی قوت کے اظہار کے لئے ملین مارچ کئے تھے۔ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سوال کا سامنا کرنا چاہیئے کہ کیا ہمیں اپنی جماعت کی ساکھ نبی کریم کی حرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے کہ ہم اپنی سیاسی ساکھ کے لئے تو ملین مارچ کا اہتمام کرتے ہیں،لیکن اس پیغمبر کی بے حرمتی ہو جس سے محبت ہمارا جزوِ ایمان ہے تو اس کے لئے ہم چند سو افراد کی ریلی نکال کر مطمئن ہو جائیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کے لئے ساری قوم کو متحد ہو کر نکلنا چاہیئے جس طرح کہ ماضی میں شانِ اسلام کا جلوس نکلا تھا۔

(ب) یہ بھی ضروری ہے کہ یہ احتجاج پر اَمن ہو۔ٹریفک کے اشارے توڑنا، گاڑیوں پر پتھراؤ کرنا، دکانوں، بنکوں اور اقوامِ متحدہ ومغربی ممالک سے متعلق دیگر عمارات کو آگ لگانا یا متعلقہ ممالک کے پرچم یا پتلے جلانا... جیسے اقدامات احمقانہ ہیں کیوں کہ ہم ان سے نہ صرف اپنا مالی نقصان کرتے ہیں بلکہ اہل مغرب کو یہ پیغام بھی دیتے ہیں کہ ہم واقعی تشدد پسند ہیں۔ پھر ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ عوامی تحریکیں اسی وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ پر امن ہوں۔جو تحریک تشدد پر اتر آئے وہ ناکام ہو جاتی ہے، کیونکہ ریاست کو اسے کچلنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ حال ہی میں کامیاب ہونے والی وکلاء تحریک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

(ج) اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف احتجاج مقامی یا ملکی سطح کا نہیں بلکہ

عالمی سطح کا ہونا چاہئے۔ یہ عالم اسلام کے ہر ملک میں ہونا چاہئے اور ان ملکوں میں بھی ہونا چاہئے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کیونکہ ایک مسلمان جہاں بھی ہو جب اس کے رسول مکرم کی توہین ہوگی تو اس کا دل دکھے گا۔ کسی ایک یا دو ملکوں میں احتجاج ہونا بے معنی بھی ہے اور بے تکا بھی جسے غیر مسلم دنیا نہیں سمجھ سکے گی، کیونکہ اگر مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہوئی ہو تو یہ ہر مسلمان کا اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ ہونا چاہئے نہ کہ محض کسی ایک یا دو ملکوں کا۔ مثلاً حال ہی میں فیس بک پر کارٹون بنانے کے مقابلے کا اعلان ہوا تو احتجاج صرف پاکستان میں ہوا یا تھوڑا بہت بنگلہ دیش میں، عالمی سطح پر یہ احتجاج بہر حال اپنے اثرات کے حوالے سے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا، کیونکہ دوسرے مسلم ممالک اس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ اس سے پاکستان کے بارے میں یہ تاثر لازماً دنیا تک پہنچا ہوگا کہ یہاں کے عوام دوسروں سے زیادہ جذباتی اور ''انتہا پسند'' ہیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ عالم اسلام میں عوامی سطح پر رابطے اور تعاون کی جو دو تنظیمیں تھیں، وہ دونوں غیر فعال ہو چکی ہیں۔ ہماری مراد مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی سے ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ وہ ایک نئی تنظیم بنائیں۔ اس کی فطری صورت تو یہی ہے کہ پہلے ایک ایسی ''تحریک حرمتِ رسول'' بنے جس میں یہاں کے سارے دینی اور شہری عناصر شریک ہوں۔ پھر یہ تحریک دوسرے مسلم ممالک کی دینی تحریکوں اور اسلامی عناصر سے رابطہ کرے اور اس طرح ہر مسلمان ملک میں ایک تحریک حرمتِ رسول وجود میں آجائے۔ پھر ان ساری حرمت تحریکوں کا ایک ہیڈ آفس بنا دیا جائے۔ اس طرح سارے مسلم ممالک کی تحریک ہائے حرمت رسول کا ایک نیٹ ورک وجود میں آجائے۔ اس نیٹ ورک کو ان ممالک میں بھی پھیلا دیا جائے جہاں مسلمان بڑی اقلیتوں کی صورت میں ہیں۔ یہ نیٹ ورک اگر بن جائے اور ایک عالمی تحریک حرمتِ رسول وجود میں آجائے جس کی ایک کال پر ساری دنیا میں توہین رسالت کے خلاف احتجاج منظم ہو جائے تو پھر یہ احتجاج ان شاء اللہ مؤثر بھی ہوگا۔

حکومتی سطح پر احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف عوامی سطح پر احتجاج کافی نہیں بلکہ مسلم حکومتوں کو بھی اس پر احتجاج کرنا چاہئے۔ مسلمان حکومتوں کی تنظیم او آئی سی کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے

حالات میں فوراً حرکت میں آئے۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ مسئلہ اٹھائے۔ سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلوائے اور اس سے پہلے دباؤ بڑھانے کے لئے عالم اسلام کے وزرائے خارجہ کا ہنگامی اجلاس بلائے۔ اس کے سربراہی اجلاس میں اس مسئلے کو فوقیت دے۔ اصولاً تو یہ سب ہونا چاہئے، لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ او آئی سی غیر فعال ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ گہری نیند میں ہے۔

اس کا سبب بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ کم وبیش تمام اسلامی ملکوں کے حکمران امریکہ و یورپ کے لے پالک اور گماشتے ہیں۔ ان کی حیثیت غلاموں کی سی ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف گردن بھی نہیں ہلا سکتے۔ اس غلامی نے انہیں دینی حوالے سے بھی بے حمیت بنا دیا ہے یہاں تک کہ وہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی توہین پر بھی امریکہ و یورپ سے شکایت نہیں کر سکتے۔ اسی ذہنی وسیاسی غلامی کا یہ بھی شاخسانہ ہے کہ اقوام متحدہ میں دنیا کے پونے دو ارب مسلمانوں کی اور ان کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سلامتی کونسل کے رکن بھی نہیں۔ ان حالات میں اب اس کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ ان مسلمان ملکوں کی دینی جماعتیں اور تنظیمیں متحد ہو کر اور بڑے بڑے مظاہرے کرتے ہوئے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ متعلقہ مغربی ممالک سے اور اقوام متحدہ سے رسمی طور پر اور سرکاری سطح پر شدید احتجاج کریں۔

امت کے اہل فکر و تدبر اور دانشوروں کو اس پر بھی سوچنا چاہئے کہ مسلم امت میں عوام اور ان کے حکمرانوں کے درمیان بعد کو کیسے ختم کیا جائے اور مسلم عوام اور حکمرانوں کو مغرب کی ذہنی، فکری، سیاسی اور معاشی غلامی سے کیسے نجات دلائی جائے؟ اس غرض سے مسلم امہ کو اپنے ہاں تحقیقی اِدارے اور تھنک ٹینک قائم کرنے چاہئیں تاکہ امتِ مسلمہ کے زوال سے نکلنے اور سر اٹھا کر جینے کی حکمتِ عملی پر بحث و تحقیق اور منصوبہ بندی کا آغاز ہو سکے اور اس کے لئے ٹھوس لائحۂ عمل تیار کیا جا سکے۔

استغفار و توبہ:

نبی مکرم کی اِہانت ہم مسلمانوں کے لئے کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ بہت بڑا سانحہ اور مصیبت ہے اور یہ ہمارے گناہوں اور اللہ و رسول کے اَحکام کی نافرمانی اور معصیت کا نتیجہ ہے لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور کثرت سے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنے

گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے، توبہ کرنی چاہئے اور اصلاحِ احوال کی فکر کرنی چاہئے۔ جو دینی تحریکیں اور تنظیمیں حرمتِ رسول کے سلسلے میں جلسے جلوس نکالتی ہیں انہیں چاہئے کہ وہ جلسے جلوسوں میں درود شریف پڑھنے کے ساتھ استغفار کی رغبت بھی دلائیں اور احساسِ توبہ کو اجاگر کیا جائے تا کہ مسلمانوں کو احساس ہو کہ ان کی اس مصیبت کا اصل سبب ان کی دین سے دوری اور اللہ ورسول کی نافرمانی ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دشمن ان کے پیغمبر کا مضحکہ اڑانے کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور آئے روز یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اصولی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دین سے محکم وابستگی اختیار کرنی چاہئے تا کہ دنیا میں بھی ان کی عزت و وقار ہو اور آخرت میں بھی وہ سرخرو ہوں۔

دوررَس اقدامات:

یہ تھے وہ چند اقدامات جو ہماری رائے میں مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے کسی اقدام کے نتیجے میں مسلمانوں کو فوراً روبہ عمل لانے چاہئیں۔ اب آئیے ان دوررَس اقدامات کی طرف جو مسلمانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر اور منصوبہ بندی سے کرنے چاہئیں تا کہ مستقبل میں اس قسم کے واقعات کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ اس غرض سے مسلمانوں کو اہل مغرب کی دشمنی کے پیچھے پوشیدہ ان غیر اعلانیہ اور غیر تحریری مقاصد واَہداف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہماری طالب علمانہ رائے میں یہ ہیں:

(۱) مغربی منصوبہ سازوں کی خواہش یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اس غرض سے وہ مسلمانوں اور ان کے دین و پیغمبر کو دہشت گرد اور دہشت گردی کا حامی اور علمبردار ثابت کرنا چاہتے ہیں تا کہ مغربی عوام اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں، اسلام کا ہمدردانہ مطالعہ نہ کر سکیں اور یوں ان کے اسلام قبول کرنے کے مواقع کم ہو جائیں۔

(۲) مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدامات کے جواب میں اگر مسلمان ردعمل کا شکار ہو کر مشتعل ہو جائیں تو انہیں انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دیا جائے اور ان پر معاشی پابندیاں لگا کر ان کی اقتصادی حالت کو تباہ کیا جا سکے اور ان پر حملے کر کے ان کا سارا ترقیاتی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے تا کہ وہ ترقی کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکیں اور اپنی اقدار کے مطابق زندگی نہ

گزار سکیں اور مغرب کو ایسے پر امن اقدامات (مثلاً تعلیم و میڈیا کے ذریعے) کا مزید موقع مل جائے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کی ذہن سازی کر سکے اور ان کے دل و دماغ فتح کر سکے تا کہ مسلمان مغربی فکر وتہذیب کے شائق و پرستار بن جائیں اور فکری و عملی لحاظ سے مغرب کے غلام بنے رہیں اور اسلام کی طرف لوٹنے کے خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

(۲) اہل مغرب کے مقاصد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی طریق کار کو بھی سمجھنا چاہئے تا کہ ہم ان کا مؤثر تدارک کر سکیں۔ اس حوالے سے دو باتیں اہم ہیں:

(الف) اہل مغرب کی دلیل یا ادعا یہ ہے کہ آزادئ اظہار رائے ہر آدمی کا بنیادی حق ہے لہٰذا ہمارا رویہ تو صحیح ہے اور غلط رویہ خود مسلمانوں کا ہے جو اختلافِ رائے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ موقف محض کٹ حجتی پر مبنی ہے اور دنیا بھر کے اہل علم وعقل جانتے اور مانتے ہیں کہ دوسرے تصورات کی طرح آزادی بھی کبھی لامحدود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ بعض قیود و استثناءات سے گھری ہوتی ہے (جیسا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہوتا ہے اور ٹریفک قوانین سے لے کر پارلیمنٹ میں اہم امور میں قانون سازی تک ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے)۔ لہٰذا ایک آدمی کو ایسے اظہار کی آزادی کیسے دی جا سکتی ہے جس سے کروڑوں لوگوں کے دل دکھیں اور انہیں تکلیف پہنچے۔ لہٰذا اہل مغرب کا لامحدود اور مادر پدر آزادی کا تصور عقلی و منطقی لحاظ سے بھی غیر معقول ہے اور یہ کوئی جینوئن ''حق'' نہیں جس کی حمایت کی جائے۔

(ب) اہل مغرب کی تکنیک اور نفسیاتی حربہ یہ ہے کہ وہ ہمیں دوڑا دوڑا کر اور تھکا کر نڈھال کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس امت کی بقا اور اتحاد کا ایک بڑا سبب محبت رسول ہے تو اب وہ وقفے وقفے سے توہین رسالت کرتا رہتا ہے تا کہ مسلمانوں کے اندر سے ان کے الفاظ میں محبتِ رسول کا ''بخار'' بتدریج اتر جائے۔ پہلی دفعہ مسلم دنیا کا ردعمل بہت شدید تھا۔ سارے عالم اسلام میں ہنگامے ہوئے، متعلقہ ملکوں کے معاشی بائیکاٹ کی تحریک چلی اور بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ پھر دوسرے موقعہ پر کم شدید ردعمل ہوا مثلاً اِس دفعہ دیکھئے تو تحریک کا زور صرف پاکستان میں رہا، بنگلہ دیش دوسرا ملک ہے جس نے فیس بک پر پابندی لگائی۔ باقی مسلم ممالک سوئے پڑے ہیں۔ حکومتی سطح پر ردعمل بھی ڈھیلا ڈھالا اور برائے نام ہے۔ نہ اقوامِ متحدہ میں احتجاج ہوا، نہ

او آئی سی کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ خود ملک کے اندر پچھلی دفعہ احتجاجی مظاہرے اور جلوس ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتے تھے، اب سو دو سو افراد کی ریلیاں نکلتی ہیں۔ اس طرح کے واقعات اگر خوانخواستہ وقتاً فوقتاً جاری رہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ معمول بن جائیں گے اور ہمارا ردعمل بتدریج ختم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ یہ سلسلہ بعض دینی رہنماؤں کے اخباری بیانات تک محدود رہ جائے گا۔

(ج) اہل مغرب کے ان مقاصد اور طریق کار کے جواب میں ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟ چند تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) ابلاغی وفکری مزاحمت : مغرب کے اس طرح کے حملے کی بھر پور مزاحمت کی جائے خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر۔ بدقسمتی سے اس وقت حالت یہ ہے کہ مسلمان ابلاغ عامہ اور پروپیگنڈے کے میدان میں اہل مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔ اوّل تو ان کے پاس طاقتور میڈیا نہیں اور جو برا بھلا ہے، وہ زیادہ تر ان افراد کے ہاتھ میں ہے جو فکری اور تہذیبی طور پر مغرب سے مرعوب ومتاثر بلکہ ان کے نقال اور گماشتے ہیں۔ ان سے کیا توقع کی جائے کہ وہ مغرب کا بھر پور جواب دیں گے اور دینی حمیت کا ثبوت دیں گے؟

دینی چینل اوّل تو ہیں نہیں اور جو ہیں وہ فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہیں۔ لہٰذا ایک ایسے چینل کی ضرورت ہے جو اسلام کا ہو، کسی خاص فرقے یا مسلک کا نہ ہو۔ بہر حال ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ضمن میں ہمارا رویہ جارحانہ ہو اور ہم حکمت وتدبر کے ساتھ ان کو منہ توڑ جواب دیں اور ان کے خبثِ باطن کو دنیا پر عیاں کریں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں تعلیم، معیشت، معاشرت، سیاست غرض سارے شعبہ ہائے حیات میں ان کی فکری اور تہذیبی مزاحمت کرنی چاہئے اور اس کا مؤثر اظہار بھی میڈیا کے ذریعے ہونا چاہئے۔

(۲) دعوت کے مواقع : اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کے ابلاغی وعسکری حملوں کو وہاں کے سارے عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے یہ بعض متعصب حکمرانوں، دانشوروں، صہیونیوں اور شدت پسند عیسائیوں کی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے اور مغربی حملوں اور مسلم ممالک میں اس کے ردعمل کے نتیجے میں مغربی عوام میں حقائق جاننے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح، مصدقہ اور براہِ راست (فرسٹ ہینڈ) معلومات حاصل کرنے کی ایک طلب ابھر آئی ہے۔ اب یہ مسلمان حکمرانوں، دانشوروں اور علمائے کرام کا کام ہے کہ وہ ان کے سامنے اسلام کی اصل حقیقت اور اس کا

اصل چہرہ خصوصاً قرآنِ حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم کی سیرت مؤثر انداز میں تحریر وتقریر کے ذریعے پیش کریں۔ اگر مسلمان دعوت کے اس سنہری موقع کو ضائع نہ کریں تو وہ مغربی عوام میں سے بہت سوں کے دل و دماغ جیت سکتے ہیں اور اس کے لئے توپ وتفنگ کی نہیں، حکمت وتدبر، خاموشی اور سمجھداری کے ساتھ پلاننگ اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔

(۳) معاشی بائیکاٹ : مادہ پرست مغرب اگر روحانی اقدار کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تو مادی مفادات اور اَقدار کی تو اسے خوب سمجھ ہے، لہٰذا اسے اسی اسلوب میں جواب دینا چاہئے جسے وہ سمجھ سکے۔ مسلمان اگرچہ معاشی لحاظ سے کمزور ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر وہ بحیثیتِ امت متحد ہو جائیں اور اس ملک کا معاشی مقاطعہ کر دیں اور متعلقہ ملک کے ساتھ برآمدی و درآمدی تجارت ختم کر دیں تو اس کا خاطر خواہ اثر پڑے گا، لیکن یہ حربہ اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب امت حقیقی طور پر متحد ہو اور جذبۂ شجاعت اور ایثار و قربانی سے کام لے اور دباؤ میں نہ آئے جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم نے تیل کی برآمد پر پابندی لگا کر دکھادی تھی۔

(۴) بین الاقوامی قانون سازی : مسلم امت اگر متحد ہو جائے تو آسانی سے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ایسا ریزولیوشن منظور کروایا جا سکتا ہے کہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے ان رہنماؤں کی توہین جرم تصور ہوگی جنہیں کروڑوں افراد محترم و مقدس گردانتے ہیں۔ اس حوالے سے اقوامِ متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں ترمیم بھی ہونی چاہئے اور اس اصول کی خلاف ورزی کو عالمی عدالت انصاف میں چیلنج کرنے کی راہ بھی ہموار ہونی چاہئے۔

(۵) فروغِ اتحاد: مسلم دانشوروں، رہنماؤں اور علمائے کرام کو اس طرح کے مواقع کو امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کا وسیلہ اور نادر موقع سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔ مسلمانوں میں باہم بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں اور ہیں، لیکن نبی مکرم کی حرمت وتقدس کے حوالے سے ان میں بہرحال کوئی اختلاف نہیں اور آپ ﷺ کی محبت سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ لہٰذا محبتِ رسول کو مسلمانوں میں بنائے اتحاد بنا کر اس اتحاد کو مزید مضبوط کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں اور فرقہ وارانہ اختلافات، تعصّبات اور انتشار کو ہوا دینے والے اقدامات کے خلاف مؤثر لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔

(۶) مغربی فکر و تہذیب کا ردّ : مسلمانوں کا اس وقت حقیقی اور بڑا مسئلہ مغربی فکر سے مرعوبیت کے خاتمے اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات کا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حرمتِ رسول کی تحریک چلانے والے رہنما اور علماے کرام تدبر و حکمت سے اس تحریک کا رخ مغرب کی ملحدانہ فکر اور تہذیبی مظاہر سے تنفر کی طرف موڑ دیں مثلاً مغربی لباس کیوں پہنا جائے؟ اسکول انگلش میڈیم کیوں ہوں؟ تعلیم مخلوط کیوں ہو؟... وغیرہ۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں امریکہ و یورپ دشمنی کے جذبات میں خود بخود اضافہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہو بھی تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں مغرب کی فکری و ذہنی غلامی سے نکلنا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے خلاف سیاسی طور پر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہیں، لیکن ہماری معیشت، معاشرت، تعلیم غرض ہر جگہ مغربی فکر و تہذیب کا غلبہ ہو تو اس مردہ باد کے نعرے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے اس امر پر بہت سنجیدگی سے سوچا جائے کہ آج کے مسلمانوں خصوصاً پڑھے لکھے افراد کو مغرب کی فکری و تہذیبی غلامی سے نکالنے کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے اور اس حوالے سے حکومتی مدد کے بغیر دینی عناصر کے لئے کام کا وسیع میدان موجود ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ مغربی فکر و تہذیب کو ردّ کر دیا جائے اور اس کی جگہ اسلامی اصول و اقدار کو فروغ دیا جائے۔

(۷) اسبابِ ضعف کا خاتمہ : اور آخری بات: یہ کہ مسلمانوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہئے کہ آج ان کے پیغمبر کی توہین اس لئے ہو رہی ہے کہ وہ دنیا میں کمزور و ناتواں ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ان کا کوئی وزن اور ان کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔ اگر آج وہ تنکے کی طرح ہلکے نہ ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ ان کے پیغمبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا احتساب کریں، اپنی کمزوریاں دور کریں اور اسبابِ ضعف کا خاتمہ کریں۔ اپنے دین سے محکم وابستگی اختیار کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکامِ شریعت پر عمل کریں کہ یہی ان کے لئے منبع قوت ہے اور گہرے ایمان اور برتر اخلاق کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی میں بھی متحد ہو کر آگے بڑھیں اور طاقتور بنیں تا کہ دنیا ان کی بھی قدر کرے۔

☆☆☆

تین شرابیوں کی خوب صورت موت

ناصرالدین مظاہری

شراب جیسی خراب چیز شاید ہی آسمان کے نیچے کوئی اور ہو، ہمارے نبی نے شراب کو جُمَّاعُ الاِثْم فرمایا ہے، شراب أُمُّ الخَبائِث ہے، اس کو پینے والے سے اللہ تعالی ناراض ہوتا ہے، شراب کا بہت بڑا گناہ ہے، شرابی کے بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، یہ وہ حرام کام ہے جس کو ہر مہذب معاشرے میں برا تصور کیا جاتا ہے، ان سب کے باوجود شرابی پر اگر اللہ تعالیٰ مہربان ہوجائیں تو بھلا کس کو مجالِ مقال ہے۔

دو سال پہلے مصر میں شراب کے نشے میں دھت ایک شخص لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ جب مسجد میں داخل ہونا چاہا تو مسجد میں لوگوں نے گھسنے نہیں دیا، شرابی اندر پہنچ کر نماز پڑھنا چاہتا ہے، اپنے رب کو منانا چاہتا تھا، اپنے کئے پر آنسو بہانا چاہتا تھا لیکن لوگ اسے شرابی کا طعنہ دے کر مسجد سے دور کررہے تھے۔ اسی درمیان امام صاحب بھی پہنچ گئے، امام صاحب نے تمام حالات کا جائزہ لے کر نہ صرف مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دے دی بلکہ اس کو خود ہی وضو کرایا، شرابی وضو کے بعد جماعت میں شامل ہوگیا، پہلی رکعت مکمل ہوگئی تو دوسری رکعت شروع ہوگئی دوسری رکعت کا پہلا سجدہ بھی شرابی نے ہوش وحواس میں کیا اور پھر جب دوسرا سجدہ کیا تو ایسا کیا کہ

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

شرابی ہمیشہ کے لئے رب ذوالجلال کے پاس چلا گیا، وہ شخص جس کو ہمارے جیسے لوگ بہ نظر حقارت دیکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا انجام کتنا خوبصورت لکھا تھا اب دیکھئے ہمارے نبی کیا فرماتے ہیں:

من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة ۔جس کی زندگی کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا۔

دور کیوں جائیے قریب ہی کا واقعہ ہے، واقعہ کے راوی حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ ناظم ومتولی مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور ہیں، اجراڑہ ضلع میرٹھ میں ایک شخص تھا، مسلمان تھا لیکن نہ نماز سے تعلق، نہ روزے سے محبت، نہ پاکی ناپاکی کا خیال ولحاظ بس شراب کے نشے میں مدہوش وبیہوش پڑا رہتا تھا، کتے اس سے بہت مانوس تھے کیونکہ وہ اپنا کھانا اکثر وبیشتر کتوں کو کھلادیا کرتا تھا، عمر یوں ہی کٹتی رہی، اس کا سفینۂ حیات سبک رفتاری کے ساتھ منزلیں طے کرتا رہا، ایک دن اس شرابی نے یکایک غسل کیا، پاک وصاف ہوکر کپڑے پہننے، قبلہ کی طرف رخ کرکے لیٹ گیا، کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھا اور یہ جا وہ جا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔** دھیان دیجیے یہ کتنی خوبصورت موت ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی کون سی ادا اور کون سا عمل پسند آگیا کہ مرنے کے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری فرمادیا۔

سہارنپور کے انبالہ روڈ پر ایک نامی گرامی معروف بزرگ گزرے ہیں حضرت حافظ عبدالوہابؒ، یہ مدرسہ احیاء العلوم دہنی والا کے بانی مبانی بھی ہیں، حافظ صاحب نے اسی وقت مفتی محمود عالم رام پوری دارالافتاء مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کو یہ واقعہ سنایا کہ ایک شرابی مدرسہ کی مسجد میں عشاء کے وقت آیا، نماز پڑھی اور نماز کے بعد اعلان کیا کہ بھائیو! میں شراب وغیرہ سے پکی سچی توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اب ان شاء اللہ پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھوں گا۔ اس اعلان کے بعد وہ شرابی تو چلا گیا اور فجر میں اسی شرابی کے انتقال کا اعلان میں ہورہا تھا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **العبرۃ بالخواتیم**۔ خاتمہ کا اعتبار ہوتا ہے۔ تینوں واقعات سے ہمارا ایمان الحمدللہ مضبوط ہوتا ہے، ہمارا یقین پختہ ہوتا ہے، ہمارے نیک اعمال جیسے بھی ہوں ہمیں نیک اعمال مسلسل کرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم مانگتے رہنا چاہیے کیونکہ ہم بہرحال منگتا ہیں وہ داتا ہے، ہم فقیر ہیں وہ غنی ہے، ہم مجبور ہیں وہ قادر مطلق ہے، وہی ستار العیوب ہے وہی غفار الذنوب ہے۔ عزت اسی کو زیب دیتی ہے۔ **تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام۔**

☆☆☆